سلسلہ مطبوعات (۴)

اسلامی افسانوی ادب

(منہج، خصوصیات، مقاصد اور شرائط)

تعلیق و ترجمہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

......ادب اسلامی کے نام سے چونکنے بچنے اور تمسخرانہ کیفیتوں کو ظاہر کرنے والوں کے سامنے لائق مترجم نے جس طرح اسلامی ادب کی واقعیت و معنویت کا اظہار کیا ہے وہ ان کی رائے کی سلامت وصلابت کا بھی بہت خوبصورت مظاہرہ ہے......ان کے پیش لفظ میں یہ احساس بڑا اثر انگیز ہے کہ ......ادب اسلامی کا دائرہ کار تمام وسعتوں سے وسیع تر ہے اس لئے کوئی وقتی، نظریاتی اور فلسفیانہ قید اس کو محدود نہیں کر سکتی..............

(مولانا عمیر الصدیق دریابادی)

......ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی نے اپنی اس کتاب سے ہم کو جھنجھوڑا ہے کہ ہم ان تخلیقات کا جائزہ لیں جواب تک ہم نے افسانوی ادب میں پیش کی ہیں......ڈاکٹر صاحب نے پہلی بار افسانوی ادب پر ایک جامع تنقیدی کتاب پیش کی ہے......ڈاکٹر صاحب کے تمام مباحث میں افسانوی ادب کے ساتھ اسلامی کی بھی قید لگی ہوئی ہے......اس سے اسلامی ادب کے ذخیرہ میں ایک تعمیری اضافہ ہوگا..............

(پروفیسر سید احتشام احمد ندوی)

......ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی صحیح اسلامی فکر کے حامل ایک ابھرتے ہوئے نوجوان مؤلف اور مترجم ہیں، انھوں نے اردو زبان میں اپنی مختلف تحریروں کے ذریعہ اسلامی ادب کے اغراض ومقاصد اور اس کے اصول ومبادی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے......اس کتاب میں قرآن کریم میں مذکور مختلف نوعیت کے تاریخی، تمثیلی، واقعاتی اور نفسیاتی قصوں کے اغراض ومقاصد اور ان میں موجود فنی عناصر پر تفصیل کے ساتھ علمی وتحقیقی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(ڈاکٹر محمد سمیع اختر)

سلسلۂ مطبوعات (۴)

اسلامی افسانوی ادب

(منہج، خصوصیات، مقاصد اور شرائط)

یہ کتاب درحقیقت مشہور عرب ادیب وناقد ڈاکٹر مامون فریز جرار کی کتاب "خصائص القصة الاسلامیه" کی ضروری تعلیقات اور حذف واضافہ کے ساتھ تلخیص ہے، اس کو اردو میں اس لیے منتقل کیا گیا کہ یہ کتاب اردوداں طبقہ کے لیے نہ صرف اسلامی ادب کو بحیثیت ایک ''اسلامی ادبی اسکول'' متعارف کراتی ہے بلکہ اسلامی افسانوی ادب کے منہج، خصوصیات ومقاصد اور شرطوں کو واضح کرنے کے ساتھ قرآن وحدیث کے قصوں کا فنی تجزیہ کرکے اسلامی افسانوی ادب کے خطوط وضع کرتی ہے۔

تعلیق وترجمہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

ناشر

علامہ ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر فاؤنڈیشن علی گڑھ

طبع اول فروری ۲۰۱۳ء

نام کتاب : اسلامی افسانوی ادب
عربی تالیف : ڈاکٹر مامون فریز جرار
تعلیق وترجمہ : ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی
کمپوزنگ : ادارہ ندائے اعتدال
تعداد اشاعت : ایک ہزار
صفحات : ۲۱۶
قیمت : ۱۳۰
ناشر : علامہ ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر فاؤنڈیشن علی گڑھ

Dr. M. Tariq Ayubi Nadwi
M.A. Ph.D(Alig)
+91 9897776652 +91 9026544546
E_mail. tariqnadwialig@yahoo.co.in

مطبع : مشہود انٹر پرائزز، لکھنؤ
موبائل 9839133588, 9451947786

ملنے کے پتے:

دارالکتاب، دودھ پور، علی گڑھ
مکتبہ جامعہ، شمشاد مارکیٹ علیگڑھ
ایجوکیشنل بک ہاؤس شمشاد مارکیٹ علیگڑھ
مکتبہ الشباب العلمیہ، مکارم نگر، لکھنؤ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو منسوب کرتا ہوں

اپنے اساتذہ اور اپنے محسنین کے نام

جن کی شفقتوں کے باعث میں قلم پکڑنے کے لائق ہوا

اور

اپنے والدین کے نام جن کی کوششوں اور قربانیوں

سے میں علم و ادب کے گہواروں

میں پہنچ سکا

اور

اپنی ننھی و معصوم بیٹی کے نام جو

ہر وقت مجھے جینے کا حوصلہ دیتی ہے

اور جس کی ہر خوشی و مسکراہٹ میرے لئے

باعث فرحت اور سرمایہ زندگی ہے

محمد طارق ایوبی ندوی

ادب تو ادب ہے!

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ادب ادب ہے خواہ وہ کسی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، یا کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے، اور اس کو قبول کرے۔ حسن پسندی تو یہ ہے کہ حسن جس شکل میں ہو اسے پسند کیا جائے۔ بلبل کو آپ پابند نہیں کر سکتے کہ اس پھول پر بیٹھے اس پھول پر نہ بیٹھے، یہ کہاں کا حسن مذاق اور کہاں کی حق پسندی ہے کہ اگر گلاب کا پھول کسی میخانے کے صحن میں اس کے زیر سایہ کھلے تو وہ گلاب ہے، اور اس سے لطف اٹھایا جائے، اور اگر کسی مسجد کے چمن میں کھل جائے تو پھر اس میں کوئی حسن نہیں؟ کیا یہ جرم ہے کہ اس نے اپنے نمو اور جلوہ نمائی کے لیے مسجد کا سہارا لیا؟ بقول اقبال

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
بن اگر شہروں سے پیارے ہوں تو شہر اچھے کہ بن؟

نہیں حسن بے پروا سے مطلب ہے کہ شہر و صحرا سے؟ لیکن ادب کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا۔

☆☆☆

جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا؟

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی
مرتب، ماہنامہ معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ

اسلامی ادب کی اصطلاح اگرچہ آج کے عام ادبی رجحانات اور تجربات کی گرم بازاری میں ان کے لئے بھی اجنبی اور نامانوس ہی نظر آتی ہے، جن کا تعلق عقیدہ، معاشرت، ثقافت اور روایت کے اعتبار سے اسلام سے بظاہر کسی نہ کسی درجہ میں باقی ہے، جب استوار رشتوں میں، ادب کو اسلامی کہنے میں بے گانگی کا احساس ہے، تو ان سے کیا شکوہ جو اسلام کی روح تو کیا اس کے ظاہری وجود کے ابعاد و جہات سے ناآشنا ہیں، ہاں اس تجاہل اور تغافل کے اسباب ہو سکتے ہیں، ایک بڑا سبب تو خود راہ غفلت ہے جو اپنوں کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ وہ ادب اسلامی کی شناخت کو عام نہ کر سکے جو حسن، خیر اور افادیت سے عبارت ہے، یقیناً یہ ایک خاص دائرہ میں ہے لیکن یہ دائرہ کچھ تنگ اور محدود بھی نہیں، اسلامی ادب اپنی روشنی صدیوں سے بکھیرتا رہا ہے تذکرہ سوانح، ملفوظات، مکتوبات اور سب سے بڑھ کر قرآن و حدیث کی تشریحات میں اعلیٰ نثری ادب کے شاہکار اسلام کے ظہور کے زمانے ہی سے سامنے آتے رہے جو کسی بھی زبان اور معاشرہ کے بلند ترین ادبی پیمانوں سے بھی بلند ہیں، ادب کی مملکت کی حکمرانی اگر سب سے زیادہ کسی صنف کو زیب دیتی ہے تو وہ شاعری ہے، اسلام کی ادبی سوغات

میں شاعری نے جو درجہ حاصل کیا اس کے انکار کی جرات ان کو بھی نہیں جو خود اسلام کے انکار پر اصرار کرتے رہے، قریب ایک صدی پہلے علامہ شبلی نے شعر العجم کی تاریخ کی ابتدا جس جملہ سے کی تھی، اصلا وہ جہان ادب میں اسلام کی اس عملداری کا دعوی تھا جو زمان ومکان اور اسلوب وبیان کی حدوں کا تعین کرتا ہے۔

شبلی کا دعوی تھا کہ ''اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن فیض بقدر استعداد پہنچا، ایران کی خاک فنون لطیفہ کی قابلیت میں سب سے ممتاز تھی اور بالخصوص شاعری اس کا خمیر تھا، اسلام نے اس خاص جوہر کو چمکایا اور اس حد تک پہنچایا کہ تمام دنیا کی شاعری ایک طرف اور صرف ایران کی شاعری ایک طرف'' یہ محض ایک مثال ہے، اور اس ادبی جہاں گیری میں ہر صنف شامل ہونے کے لائق ہے، لیکن اس عموم میں کمی یا کمزوری کا استثنائی احساس رہا تو وہ معاصر ادب کے وہ اصناف ہیں جو افسانہ، ناول یا ڈرامہ کے عنوان سے ادب کا حصہ بنے، اور زبانوں کی بات کیے بغیر اردو کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ادبی مشمول میں جس متاع نے نمایاں ہو کر دعوت نظارہ دی، یہی ناول اور افسانہ کا سرمایہ ہے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اردو میں افسانہ، مغربی ادب کا شاخسانہ ہے، گو یہ کلی طور پر صحیح نہ ہو، لیکن اتنا تو طے ہے کہ اردو افسانہ اور اس کے تمام اقسام اپنی ہیئت اور بنیادی عناصر میں مغرب کے اثرات کا ظہور ہیں، ورنہ ناولوں اور افسانوں سے پہلے قدیم داستانوں کا وجود بتلاتا ہے کہ کہانی سننے اور سنانے کا عمل ازل سے ہے، کیونکہ یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے، مغربی اثرات کے تحت اس ازلی عمل کی ہیئت اگر بدلی تو اس کو باخبر نقد کی زبان میں ''زیادہ ترقی یافتہ نوعیت'' کہنا ہی مناسب ہے۔

افسانہ یا ناول کی تعریف کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے متعلق وہی کہہ سکتے

ہیں جن کو کہنے کا حق ہے، ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ حقیقت اور تخیل کا ایسا آمیزہ ہے جو پڑھنے والے کے لئے دلچسپی کا سبب بن جائے، اتحاد اثر، اتحاد زمان ومکان اور کرداروں میں مکمل آہنگی جیسے الفاظ سنے تھے کہ افسانہ وناول کے لئے ضروری عناصر ہیں، برسوں پہلے کہیں پڑھا تھا کہ افسانہ نگار سے کسی مرتب فلسفہ حیات کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں اسے بات کہنے کا حق ہے، ان میں خواہ بظاہر کوئی رابطہ بھی نہ ہو، لیکن یہ منتشر اجزاء اس وقت تک فکر انگیز نہیں ہو سکتے جب تک زندگی اور اس کے مسائل کے بارے میں افسانہ نگار کا کوئی واضح نقطہ نگاہ نہ ہو۔ افسانہ کے مقصد کے تعین میں یہ بات اچھی لگی، فلسفہ حیات، فکر انگیز اور مخصوص نقطہ نگاہ! اور کیا چاہیئے۔ اردو میں اس کے ابتدائی نقوش بھی کچھ تابدار ملے، نذیر احمد، شرر، راشد الخیری جیسے ابتدائی افسانہ نگاروں کے ہاں ان تینوں اجزا کی موجودگی سے کون انکار کرسکتا ہے، لیکن ہوا یہ کہ یلدرم، سلطان حیدر جوش، احمد شجاع، عاشق بٹالوی اور چودھری افضل حق وغیرہ تک جو سمت مذاہب واخلاق ومعاشرہ کی روشنی میں منزل کا پتہ دے رہی تھی، بہت جلد اس کو بے لوث کرنے کی دانستہ وشعوری کوششیں شروع ہوگئیں، مذہبی اقدار کی شمولیت اس لئے برداشت نہیں ہوئی کہ معاملہ مخصوص مادی نظریات کا آن پڑا جس کے لئے سماجی نابرابری، اونچ نیچ اور معاشی ناہمواری کی عکاسی کا سہارا لیا گیا، لیکن یہ بھی سچائی ہے کہ ان سہاروں کے باوجود ان مسائل کا کوئی مثبت حل پیش نہ کیا جا سکا بلکہ رومانیت، عریانیت اور لذتیت کے سہارے صرف ایک مادی نظریے کا ایسا وکیل سامنے آگیا جس کی آواز کا اتار چڑھاؤ تو ہو لیکن بحث ودلیل سے خالی وہ افسانہ جو مقصدیت کے تحت فنی مدارج طے کرتا نظر آرہا تھا وہ صرف ایک وقتی نظریے کے بھونڈے پرچار میں بدل گیا، جہاں کلائمکس میں ایسے جملے آنے لگے کہ ''یہ تو ایک خواب ہے، وہ

بولے ارے خواب تو ہے مگر یہ ایک سرخ خواب ہے"۔

اردو افسانہ اور ناول کے مختلف مدارج نقادوں کی نظر میں بے مقصدیت سے لادینیت تک اردو کی اس صنف پر کیا گزری، یہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن اسلامی اقدار واخلاق پر جو توجہ ابتدا میں کی گئی واقعہ یہ ہے کہ بعد میں یہ کم اور کمزور ہوتی رہی، افسانہ وناول جس فنی ترقی کی جانب گامزن تھے اس کا ساتھ نذیر وشرر وخیری کے ہم قبیلہ نہ دے سکے، موضوع اسلوب اور فن میں جس حساسیت کا تقاضہ کرتا ہے اور ماحول اور سماج کے درد وکرب کا جو مداوا چاہتا ہے، اس کی کمی کا اعتراف کیا جانا چاہئے۔ ناول اگر زندگی کا براہ راست نمائندہ ہے تو اس کسوٹی پر پورا اترنے میں اسلامی اقدار کے افسانے اور ناول کامیاب نہیں کہے گئے، تو وجہ صرف فنی اور تکنیکی شعور کی ناپختگی رہی، اسلامی روح کی کارفرمائی تو رہی مگر صاف طور پر یہ بھی ظاہر ہوا کہ لہجہ احتجاجی رد عمل کے طور پر ہے، فن کا وہ اہتمام جس کی ضرورت تھی، مفقود رہا۔ کاش اس صنف کو بھی کوئی شبلی اور اقبال مل پاتا، یہ تمنا ان ذہنوں کو بے چین کرتی رہی جو زندگی کے مادی مسائل کے ساتھ مابعد زندگی کا تصور اور یقین رکھتے تھے، ادب اسلامی کی کوششوں کے پیچھے یہی مقصد تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کے سوز دروں کا ترجمان ادارہ رابطہ ادب اسلامی کے مسلسل سیمیناروں نے ادب وشعر وافسانہ کی دنیا میں تموج پیدا کرنے میں جو کامیابی حاصل کی اس کا ایک نمونہ زیر نظر کتاب ہے جو اصلاً عربی زبان میں افسانوی ادب کی اسلامی تعبیر ہے، عربی میں اس ادب کی حالت اردو جیسی نہیں اسکا اظہار لائق مترجم نے بڑے سلیقہ سے اپنے پیش لفظ میں کر دیا ہے، مصنف ڈاکٹر مامون فریز جرار خود عربی کے مستند ادیب ونقاد ہیں، انہوں نے جس خوبی سے افسانہ کے لئے اسلامی ادب کی بنیادیں تلاش، فراہم کی ہیں اس کا

اندازہ مضامین کی فہرست سے ہی ہو جاتا ہے، قرآن مجید کے قصوں خصوصاً احسن القصص یعنی حضرت یوسفؑ کی زندگی کا سفر جس بلیغ ترین، موثر ترین، فنی، ادبی، نفسیاتی، مکالماتی اور ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا وہ افسانوی ادب کی ہر تعریف پر سب سے زیادہ پورا اترنے کا تنہا دعوی دار ہے، یہ قصہ اور دوسرے قصوں میں شامل بعض سچائیوں کی داستانی کیفیت دراصل اسلامی افسانہ کی مطلوب بنیاد ہے، اس کتاب میں جو اصول پیش کئے گئے وہ ایک نہایت شفاف آئینہ ہے جس میں اسلامی ادب کے مطلوب عناصر صاف دیکھے اور پائے جاسکتے ہیں۔

مترجم محض ناقل نہیں ان کو اسلام کے اصولوں پر یقین ہے اس لئے وہ ذہن و قلم کی ہر ادا میں ان پاکیزہ عناصر کی کارفرمائی دیکھنے کے لیے تڑپ رکھتے ہیں۔ ادب اسلامی کے نام سے چونکنے اور بچنے بلکہ تمسخرانہ کیفیتوں کو ظاہر کرنے والوں کے سامنے لائق مترجم نے جس طرح اسلامی ادب کی واقعیت اور معنویت کا اظہار کیا ہے وہ ان کی رائے کی سلامت وصلابت کا بھی بہت خوبصورت مظاہرہ ہے، ان کے پیش لفظ میں یہ احساس بڑا اثر انگیز ہے کہ اسلامی ادب کا اصل مقصد پاکیزہ معاشرے کی تشکیل، اور اس کے روحانی سکون کی تکمیل ہے، اس کا دائرہ کار تمام وسعتوں سے وسیع تر ہے اس لیے کوئی وقتی نظریاتی، فلسفیانہ قید اس کو محدود نہیں کرسکتی، اسلامی ادب کی اصطلاح کے جواز اور اس کی معقولیت کے جو دلائل دیئے گئے ہیں ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا، خصوصاً موجودہ دور میں جس کے متعلق ایک صاحب نظر نے بڑی اچھی بات کہی کہ "موجودہ حسیت کو جس نوع کی تہذیبی دہشت اور وجودی انہدام کا معرکہ آج درپیش ہے وہ شاید اس سے قبل ہمارے فن کاروں کا مقدر نہیں رہا" یہ احساس و اعتراف بھی دیکھنے کے لائق ہے کہ "اب افسانہ نگار پر کسی نظریے، فلسفے، رجحان،

عقیدے اور آئیڈیولوجی کا نہ جبر ہے اور نہ ہی کسی بنی بنائی لکیر یا فارمولے کے مطابق لکھنے پر اصرار۔" نظریے اور عقیدے سے غالباً وہی رویے مراد ہیں جو جبر کا منظر پیش کر چکے، اسلامی نظریہ کی خصوصیت ہی جبر انکار ہے۔ نقاد کی مراد جو بھی ہو لیکن جب یہ کہا جائے کہ "کہانی چاہے جس انداز کی بھی لکھی جائے علامتی، تمثیلی اور مبنی بر حقیقت نگاری ہو جو ہمارے دل و دماغ کو جھنجھوڑ سکے ہمارے لیے فراواں حیرت، مسرت، آگہی اور بصیرت کے اسباب مہیا کر سکے"۔ تو شکر ادا کرنے کا جی چاہتا ہے کہ اسلامی ادب کا مقصود ہی یہی ہے، اب اگر جدید افسانہ میں خیر و صداقت کی جستجو میں غیر اسلامی تہذیب جدید کے چہرے پر پڑی نقابیں سرکتی جا رہی ہیں تو اس کا خیر مقدم اسلامی تہذیب کی محرابوں سے کیا جانا غلط نہیں کہا جا سکتا، زیر نظر کتاب کے ذریعہ اگر اظہار کی جرأت کسی درجہ میں کروٹ لے تو یہی اس کتاب کی، اسکے مصنف و مترجم کی اصل کامیابی ہے، اس کے لئے ہم پیشگی مبارک باد پیش کرتے ہیں، اس دعا کے ساتھ کہ کاتب ازل کی ہر حقیقت ہم کو حقیقت کی شکل میں نظر آئے اور ہر فریب اور واہمہ ہماری نظر کو فریب ہی دکھائی دے۔

تقدیم

پروفیسر سید احتشام احمد ندوی
سابق ڈین وصدر شعبہ عربی کالی کٹ یونیورسٹی

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم امابعد!

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی نے بہت قلیل مدت میں کئی عالمانہ تصانیف پیش کر کے علمی دنیا میں اعتبار و افتخار حاصل کر لیا ہے، وہ ایک معتبر مجلہ ''ندائے اعتدال'' کے مدیر و مسئول ہیں، اور رسالہ کو نہایت قابلیت و فنی عظمت کے ساتھ شائع کر رہے ہیں، مقالات اور اداریوں کے ساتھ مستقل تصانیف کا سلسلہ بھی جاری ہے، ان کی شخصیت میں علم کا نور اور ان کی ادبیت میں فنی عظمت کا ظہور ہے، ادیب کی شخصیت کو اسی کا اسلوب تصور کیا گیا ہے، ڈاکٹر طارق ایوبی کی ادبی شخصیت ان کی جدت فکر، آفاقی انداز نظر اور فنی عظمت کی ترجمان ہے، ان کو تقلید و روایت سے شغف نہیں، بلکہ فکر کی نئی راہیں وہ تلاش کرتے ہیں، اب تک انھوں نے تین کتابیں پیش کی ہیں

۱۔ آئینۂ افکار

۲۔ نفحات من الادب الإسلامی

۳۔ مختصر تاریخ ثقافت اسلامی

۴۔ چوتھی تازہ تصنیف ''اسلامی افسانوی ادب''

گرامی قدر محمد طارق ایوبی ندوی کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ان کا قلم سیال ہے، وہ اردو کی طرح عربی زبان وادب میں بھی اپنے جوہر دکھاتے ہیں، چنانچہ ان کی

ایک کتاب عربی زبان میں شائع ہو چکی ہے۔

"کل الی ذلک الجمال یشیر"

اور دل چاہتا ہے کہ چپکے سے یہ بھی لکھ دوں کہ ڈاکٹر طارق ایوبی جتنے عمدہ ادیب ہیں، اس سے بڑے مقرر بھی ہیں، جلسوں کو قابو میں کرنے کا فن بھی ان کو خوب آتا ہے

شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

یہ تازہ تحریر دور رنگ یقیناً ہماری علمی زندگی میں، اور علمی افق میں فکری تغیر پیدا کرے گا، اور ایک روشن ستارہ بن کر چمکے گا، "عزیز سے اسلامی ادب پر جو گفتگو ہوتی رہتی ہے، اس سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ مستقبل میں وہ کوئی بڑا کام کریں گیں۔

"إنا لنرجوا فوق ذلك مظهرا"

رابطہ ادب اسلامی کی تحریک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے شروع کی، اور اورنگ آباد کے دوسرے جلسے کے موقع پر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمایا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے تھے کہ اسلام پر تین حملے کئے گئے۔ پہلا حملہ یونانی فلسفے سے ہوا، (اس کا جواب علماء نے علم کلام سے دیا)۔ اسلام پر دوسرا حملہ صلیبی جنگوں سے کیا گیا، (جس کا جواب سلطان صلاح الدین ایوبی نے دیا)۔ تیسرا حملہ اسلام پر ادب کے ذریعہ مستشرقین نے کیا، میں نے رابطہ ادب اسلامی کی تحریک کو اسلام پر ادب کے ذریعہ حملے کا جواب دینے کے لئے قائم کیا ہے۔ اس پس منظر میں ناول، ڈرامے، افسانے، (جملہ افسانوی ادب) معاشرہ میں نوجوانوں کے ذہن کو اپیل کرنے کے لیے بنیادی رول ادا کرتے ہیں، دور جدید میں فن کار اپنی بات فنی پردۂ زنگاری میں پیش کرتا ہے، یعنی فن کی عظمت یہ ہے کہ صراحت کے بجائے اپنے مقاصد کو جدید تکنیک کے ذریعہ پیش کیا جائے، اپنے نظریاتی مشن کی ترجمانی، افسانے،

ناول اور ڈرامے کے ذریعہ کی جائے، یہ فنون لطیفہ بہت ترقی یافتہ ہیں، اپنی بات کو نوجوانوں کے ذہن میں مثبت انداز سے پیش کرنے کے لیے، زندگی کی ابدی قدروں کو ذہن نشیں کرنے کے لیے اور ادب کے ذریعہ اسلامی قدروں کا انکشاف کرنے کے لئے فن پارے کو پیش کرنا ہم سے فنی عظمت کا مطالبہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی نے جدید اسلامی ادب پر غور وفکر کیا ہے، اور انھوں نے محسوس کیا ہے کہ اردو ادب میں جو افسانوی لٹریچر ہے، اسلامی ادب کے حوالے سے اس میں تقصیر سے کام لیا گیا ہے، بلکہ وہ نہ ہونے کے برابر ہے جب کہ عربی ادب میں اسلامی افسانوی لٹریچر نے جو عظمت حاصل کرلی ہے، اور جو فنی حیثیت اسلامی عربی افسانوی ادب کو حاصل ہے اور اپنی بات جس فنکارانہ انداز سے عربی افسانوں میں پیش کی گئی ہے، اس کا کوئی مقابلہ اردو ادب اسلامی سے یا رابطہ ادب اسلامی کے تخلیق کردہ ادب سے نہیں کیا جا سکتا، ڈاکٹر طارق ایوبی نے اپنی بات بہت واضح انداز میں ہمارے سامنے رکھی ہے، انھوں نے بحیثیت ناقد کے بنیادی سوالات اٹھائے ہیں، اور ان پر ناقدانہ بحثیں کی ہیں۔

قصصی ادب میں ناول کا موضوع پوری زندگی ہے، ڈرامہ کا موضوع اسٹیج کی وجہ سے زمان ومکان کی تحدید رکھتا ہے مگر افسانے کا موضوع زندگی کا صرف ایک واقعہ ہے۔

زندگی کے ہزاروں واقعات میں سے ایک واقعہ کے ذریعہ ہم اپنا پیغام پہنچاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہم واقعے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ کھل کر ہم سامنے نہیں آتے مگر واقعے کے دروبست سے ہمارا مقصد واضح ہو جاتا ہے، کبھی ہم ذرا پیچیدگی چھوڑ دیتے ہیں کہ قاری غور کر کے مطلب تک پہنچ جاتا ہے، فنکاری نفسیاتی بھی ہو سکتی ہے، اور سماجی احوال کا عکس بھی، ہمارا مشن بڑا نازک ہے، ہم اپنی بات کھل کر نہیں کہہ

سکتے فن کے پردے میں کہتے ہیں۔ فنکار اپنی شخصیت کے آئینہ میں اپنا نظریہ منعکس کرتا ہے، ایسی صورت میں سماجی، سیاسی، اقتصادی، اور نفسیاتی انداز نظر سے بھی ہمارے اوپر اثر ڈالتا ہے، اور ہم کو غور کرنے پر مجبور کرتا ہے، پس جدید علامتی افسانے بڑے معنی خیز ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر طارق ایوبی صاحب نے اپنی اس کتاب سے ہم کو جھنجھوڑا ہے کہ ہم ان تخلیقات کا جائزہ میں جواب تک ہم نے افسانوی ادب میں پیش کی ہیں، اس لیے کہ ایک یونانی فلسفی کہتا ہے کہ "بغیر آزمائش زندگی جینے کے لائق نہیں"۔ ہم کو اپنی تخلیقات کو پرکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلی بار افسانوی ادب کے موضوع پر ایک جامع تنقیدی کتاب پیش کی ہے، جس میں بہت سے لولو ومرجان ہیں جو ہم کو تدبر و تفکر پر مجبور کرتے ہیں، اور ہماری توجہ ان بنیادی نقائص اور مساوی کی طرف مبذول کراتے ہیں، جن کو کبھی ہم نے سوچا بھی نہیں، خاص طور سے افسانوی ادب کے بارے میں۔

ڈاکٹر صاحب کے تمام مباحث میں افسانوی ادب کے ساتھ اسلامی عنصر کی قید بھی لگی ہوئی ہے، مگر خوب یاد رکھنے کی بات ہے کہ افسانوی تخلیقات کو اردو میں ترقی پسند ادیبوں نے بہت بلندی پر پہنچا دیا ہے، اور انھوں نے کوشش یہ کی ہے کہ اپنے ادب میں مادی قدروں کو نمایاں کریں اور روحانی اور اسلامی قدروں کو دبائیں، یہ کام انھوں نے عمدا کیا ہے۔ اس لئے ہم کو اسلامی قدروں کو اور روحانی قدروں کو ابھارنے کا کام کرنا ہے، مجھ سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے فرمایا کہ ہمارے مخالفین کے پاس بڑے اعلیٰ فنکار ہیں مگر ہمارے فن کار اس منزل تک ابھی نہیں پہنچ سکے ہیں، اس لئے اس منزل پر اس زمینی حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔

آخر میں ہم ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی صاحب کی اس نئی تنقیدی کتاب کی

طباعت پر ان کو مبارک باد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس سے رابطۂ ادب اسلامی کے ادب میں ایک تعمیری اضافہ ہوگا۔

دراصل ڈاکٹر صاحب جواں سال اور حوصلہ مند ہیں، ان کے دل میں جوش ہے، شوق ہے، اور حوصلہ ہے، شوق اور عزیمت انسان سے بڑے بڑے کام کرا لیتی ہے، ہمیں امید ہے کہ یہ شوق ڈاکٹر صاحب سے کوئی بڑا کام کرائے گا اور وہ آگے بڑھ کر کہیں گے کہ۔

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا رہے ہیں بے دلی ہم زباں سے ہم

یہ تازہ تصنیف بھی ان کے شوق، حوصلہ، اور عزیمت کی عمدہ مثال ہے، جس میں ان کے ذوق ترجمہ کے ساتھ ساتھ تنقید کی ترجمانی بھی ملتی ہے، حق یہ ہے کہ تنقید کتاب پر غالب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف تقدیم

ڈاکٹر محمد سمیع اختر
ریڈر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی صحیح اسلامی فکر کے حامل ایک ابھرتے ہوئے نوجوان مؤلف اور مترجم ہیں، انہوں نے اردو زبان میں اپنی مختلف تحریروں کے ذریعہ اسلامی ادب کے اغراض و مقاصد اور اس کے اصول و مبادی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کا موضوع بھی اسلامی ادب سے متعلق تھا۔

زیر نظر عربی کتاب کے ترجمہ و تلخیص کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے پیش لفظ میں اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ مغربی تہذیب وتمدن کے فکری، ثقافتی یلغار سے نئی نسل کو محفوظ رکھنے اور ان کو اسلامی عادات و اطوار کا خوگر بنانے کی غرض سے اسلامی ادب کی جو تحریک شروع کی گئی تھی اس کے اثرات اردو ادبیات کی تمام اصناف میں نمایاں نہیں ہو سکے ہیں، اور بالخصوص اردو زبان کے افسانوی ادب پر اسلامی ادب کے اثرات کچھ واضح نظر نہیں آتے، اور ہنوز اردو زبان کے افسانوی ادب پر مغرب زدہ ترقی پسند تحریک کا غلبہ ہے، اسی مقصد کے تحت انہوں نے عربی زبان کے مشہور ادیب و ناقد اور ادب اسلامی کے نقیب ڈاکٹر مامون فریز جرار کی کتاب ''خصائص القصة الإسلامية'' کے ترجمہ و تلخیص کو اردو زبان میں شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، تاکہ اردو زبان کے ادباء اور افسانہ نویس بھی اپنی ادبی تخلیقات میں

اسلامی تعلیمات اور قرآنی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے حقیقت، صداقت، واقعیت، مقصدیت، موعظت، اصلاح معاشرت اور تربیت نفوس جیسے بنیادی اصولوں کو جگہ دیں اور ''فن برائے فن'' یا فن برائے تفریح طبع جیسے پرفریب مغربی نعروں کے جھانسے میں نہ آتے ہوئے فن برائے اصلاح وتربیت، اور فن برائے اکرام انسان اور تحفظ انسانیت جیسی اسلامی اور تعمیری قدروں کو اپنانے کی کوشش کریں۔ اس کتاب میں قرآن کریم اور حدیث نبوی میں مذکور مختلف نوعیت کے تاریخی، تمثیلی، واقعاتی اور نفسیاتی قصوں کے اغراض ومقاصد اور ان میں موجود فنی عناصر پر تفصیل کے ساتھ علمی وتحقیقی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

لیکن ایسا نہیں ہے کہ اردو زبان میں اسلامی طرز پر مبنی اصلاحی وتربیتی نوعیت کے افسانوی ادب کا پورے طور پر فقدان ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ادب اسلامی کی تحریک شروع ہونے سے کافی قبل مغربی تہذیب وتمدن کے مضر اثرات سے ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو محفوظ رکھنے کی غرض سے مولوی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، عبدالحلیم شرر وغیرہ افسانہ نویس اور ناول نگار حضرات نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں اسلامی تہذیب وتمدن کے بنیادی عناصر کو بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا اور نئی نسل کو اسلام کی اعلی انسانی واخلاقی قدروں کا خوگر بنانے کی کوشش کی، انہوں نے اپنے افسانوں میں مسلم سماج کے اندر بڑھتی ہوئی اخلاقی، سماجی برائیوں پر مدلل انداز میں پر زور تنقید کی، اس ضمن میں ڈپٹی نذیر احمد کی ''توبۃ النصوح''، ''بنات النعش''، ''فسانۂ مبتلا'' اور ''رویائے صادقہ'' جیسے اردو ناولوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے جن میں مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور غلامانہ ذہنیت سے مسلم قوم کو آزاد کرانے اور اسلام کے معاشرتی، تہذیبی، سماجی، انسانی اور اخلاقی قدروں کی فضیلت ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے،

انہوں نے اصلاحی اصولوں اور تہذیبی قدروں کی پوری طرح پابندی کرتے ہوئے فنی نزاکتوں کی پوری رعایت کو بھی ملحوظ رکھا ہے، جس کی بدولت ان کے ناول انگریزی دور حکومت میں بھی عوام وخواص کے درمیان کافی مقبول ہوئے اور ان ناولوں نے مسلم سماج کی اجتماعی، دینی اور اخلاقی اصلاح وتربیت میں اہم رول ادا کیا۔

ضروری ہے کہ اردو زبان میں زمانے کے تقاضوں اور وقت کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے اسلام کی اخلاقی، انسانی اور اجتماعی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے افسانہ نویسی کے اس مؤثر ترین اور قدیم فن کو اسلامی قدروں کی رعایت کے ساتھ زندہ کیا جائے، میرا خیال ہے کہ اس سمت میں قدم بڑھانے والے اسلامی ذہنیت کے حامل ادباء کے لیے یہ کتاب مفید ثابت ہوگی، یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ناول نگاری یا افسانہ نویسی کے فن میں موقع ومحل کے اعتبار سے عشق ومحبت کے جذبات کا اظہار اسلامی قدروں کی مخالفت نہیں بلکہ فنی ضرورت ہے، جس کے بغیر افسانہ یا ناول کا فن مکمل اور مقبول نہیں ہوسکتا، ہاں اسلامی حدود کا لحاظ ضروری ہے، افسانوی ادب کو اصلاح معاشرت اور تربیت نفوس کا اہم ذریعہ بنانے کے لیے ناگزیر ہے کہ اس کے بنیادی فنی عنصر کی بھی پوری رعایت کی جائے۔

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، وبعد!

ہزار بار لائق شکر و امتنان ہے وہ ذات بابرکت جس نے محض اپنے فضل واحسان سے مجھ جیسے کمزور و کم علم کو نئے طرز کی یہ کوشش اہل قلم کی عدالت میں پیش کرنے کی توفیق دی، سچ تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی عنایات اور اس کے لامحدود کرم اور بے پایاں وگرانمایہ احسانات کا شکر ممکن ہی نہیں، وہی تو ہے جس نے عالم رنگ وبو کو آراستہ کیا اور انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر خلافت ارضی کا تاج پہنایا، اور وہ عقل سلیم دی جس کے سبب وہ خیر کا انتخاب کر سکے اور شر سے محفوظ رہ سکے، اسی ذات والا صفات نے انسان کو وہ موہوبی صلاحیتیں دیں جن کا تنوع اگر ایک طرف اس کی قدرت کا غماز ہے تو دوسری طرف خیر کی دعوت کا باعث، غرض یہ کہ جس نے سب کچھ عطا کیا اس کا شکر کیوں کر اور کیسے ممکن، لیکن پھر بندہ وہی ہے جو نعمتوں اور صلاحیتوں کے حصول پر جذبہ شکر و امتنان سے سرشار رہے اور احسانات خداوندی سے ہمہ وقت زیر بار ہے، ذات الٰہی کی وسعت رحمت، اس کے عطایا کی فراوانی، اور اس کی حکمت و عظمت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ سب کچھ دے کر وہ مزید دینے کے لیے فرماتا ہے اور تلقین کرتا ہے لئن شکرتم لأزیدنکم ولئن کفرتم إنّ عذابی لشدید۔ (ابراھیم:۷)

جب میں پی، ایچ، ڈی کا مقالہ لکھنے میں مشغول تھا اس وقت اسلامی ادب سے متعلق متعدد کتابیں نظر سے گذریں، چونکہ میرے مقالہ کا موضوع (اسلامیة

الأدب و تأثيرها في الأدب العربي الحديث Islamization of literature and its impact in modern arabic literature) تھا، اس لیے ادب اسلامی کو فنی نقطہ نظر سے پڑھنے کا موقع ملا اور شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ عربی زبان میں تو اس نظریہ پر خوب کام ہوا اور اس کو سمجھنے، سمجھانے اور عام کرنے کے لیے نہ صرف تنقیدی بحثیں مضامین ومقالات لکھے گئے بلکہ تطبیقی تخلیقات کے ایسے خوبصورت نمونے پیش کیے گئے جنھیں علمی اور عوامی دونوں حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن اردو میں یہ نظریہ محض نظریہ ہی رہا نہ اس کی فنی توجیہات ہوئیں اور نہ تطبیقی تخلیقات سے اس نظریہ کو عام کرنے کی کوشش کی گئی اور نہ ہی ناقدین نے ادبی نصوص کی تنقید سے خاطر خواہ اس نظریہ اور اس کے خدوخال، فنون ومقاصد کو واضح کرنے کی کوشش کی، میں نے اسی فکر سے مغلوب ہوکر عربی کے مشہور ادیب وناقد ڈاکٹر مامون فریز جرار کی کتاب "خصائص القصة الاسلامیه" کی حذف واضافہ کیساتھ تلخیص تیار کی کہ اس کے ذریعہ ادب اسلامی کے نظریہ کی ہر شق کی وضاحت ممکن ہے، چونکہ ادب اسلامی کی اصطلاح کا عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں صحیح اور واضح مفہوم نہیں رہا، عربی میں اس اصطلاح سے عہد اسلامی یعنی دور نبوت اور عہد خلفاء راشدین کا ادب مراد لیا جاتا رہا، تو اردو میں اس سے محض حمدیہ ونعتیہ شاعری یا سیرت وسوانح اور قرآن وحدیث کی تشریحات وغیرہ کا مفہوم لیا گیا، جب کہ سچائی یہ ہے کہ ادب اسلامی کا مفہوم بہت وسیع اور تمام تر ادبی نقطہائے نظر کا مقابلہ کرنے کے قابل ہے، عربی اسلامی ادب میں اس کی بہترین مثالیں اور اچھوتے نمونے پیش کیے گئے، ادب اطفال، شعری دواوین، ناول، افسانہ، ڈرامہ اور مختصر کہانیوں میں اس نظریہ کی تطبیق سے ایسے بے مثال نمونے سامنے آئے

جنہوں نے باطل تحریکوں اور فکری کشمکش کے رخ کا بڑی قوت کے ساتھ مقابلہ کیا اور نوجوان نسل کی ذہنی و مذہبی نشو و نما میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آگے بڑھنے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ میں نے اسلامی ادب کے نظریہ کے تمام تر خدوخال واضح انداز میں پیش کرنے کے لیے اسی کتاب کا انتخاب کیوں کیا؟ اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اردو میں ترقی پسند تحریک کے بعد اسلامی ادب کا طاقتور رجحان پیدا ہوا لیکن وہ غیر افسانوی نثر تک محدود رہا، جس طرح زیادہ تر لوگ اسلامی ادب کا مفہوم وہ سمجھتے رہے جس کا ذکر اوپر ہوا اسی طرح بعض لوگوں نے اسلامی ادب کی تحریک تو شروع کی لیکن اس کو غیر افسانوی نثر تک ہی محدود رکھا، یہ کتاب جہاں ایک طرف ادب اسلامی کا مفہوم، اس کی تعریف، اس کے مقاصد اس کے فنون پر روشنی ڈالتی ہے وہیں بالخصوص اسلامی افسانوی ادب کی ضرورت اس کے اہداف و شرائط اور خصوصیات سے اس طور پر بحث کرتی ہے کہ افسانوی ادب کی شرعی سند بھی مل جائے اور اس کی شرعی ضرورت بھی واضح ہو جائے۔

یہ بات واضح ہے کہ ادب انسانی زندگی کی ضرورت ہے، اور اسلام نے زندگی میں پیش آنے والی ہر ضرورت کا بھرپور خیال رکھا ہے، دینی حدود و قیود کے ساتھ فطرت کی رعایت کا یہ حسین مرقع ہے، اس کی آفاقیت، عالمیت، انسانیت نوازی وقانون سازی، فتنہ وفساد کے اسباب کا سد باب، قیام عدل وامن کی کوششوں اور بے مثال اخلاقی تعلیمات کی کوئی نظیر نہیں ملتی، حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل انسانی زندگی در در کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، اور جگہ جگہ جبیں سائی کرتی تھی، ظلم وفساد کے دبیز اندھیروں میں بھٹک رہی تھی، اسلام نے زندگی کے رخ کو موڑا، اصول وقوانین مرتب کیے، انسان کو زندگی برتنے کا سلیقہ دیا، صحیح معیار زندگی کو پرکھنے کا بے مثل شعور تنقید عطا

کیا، ایسا معیار نقد و نظر عطا کیا کہ کسی اور جانب نظر اٹھانے کی ضرورت باقی نہ رہی، ''الیوم أکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ ۳) اور اس کے بعد یہ بھی اعلان کردیا گیا، ان الدین عند الله الاسلام '' (آل عمران:۹)

اب یہ کیوں کر ممکن تھا کہ کمال کا دعویٰ رکھنے والا جامع کامل و مکمل یہ دین ادب سے بے اعتنائی برت کر انسان کو مشکل میں ڈالتا، ادب انسان کی ضرورت تھی، اور ہے! ذہنی الجھنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے انسان ادبی منظر ناموں کی سیر کرتا ہے، ادب کے پرکشش اسلوب اور لطائف ادبیہ سے مسحور ہوکر وہ اپنی پریشانیوں سے نجات حاصل کرتا ہے، زندگی کی تھکن اور سخت آزمائشوں سے بھاگ کرستانے کے لیے وہ ادب کی لطافتوں میں پناہ لیتا ہے اور قلبی و ذہنی سکون حاصل کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اسلام نے ادب کو بھی صحیح رخ دیا بلکہ اس کو محض لطف اندوزی ولذت کوشی کا سرچشمہ قرار دینے کے بجائے دعوت اسلامی کی تبلیغ و ترسیل کا ذریعہ بنادیا، ادب کو زندگی سنوارنے، اخلاقیات کو عام کرنے، معاشرتی مسائل کو حل کرنے اور اسلام کا دفاع کرنے کا آلہ بنادیا۔

تاریخ ادب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ادب کو صرف تفریح دماغ اور تسکین قلب کا ذریعہ بنایا گیا، کبھی اسے جنسیات و فحاشی کو رواج دینے کے لیے استعمال کیا گیا، کبھی ادب کے ذریعہ باطل افکار عام کیے گئے، انسانی زندگی کو بے لگام کرنے کے لیے اس کو سامان تفریح قرار دیا گیا، رقص و سرور کی محفلیں ادب کے نام پر آراستہ کی گئیں، میخانہ کو آباد کرنے کے لیے اس کو استعمال کیا گیا، کمیونزم کے نظریات کی اشاعت ہو یا سرمایہ دارانہ نظام کو عام کرنے کی تحریک، مارکسی تحریک ہو یا مسیحی

نظریات سب نے اسی ادب کو عقلوں کے ذریعہ دل تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا، کلاسیکیت، رومانیت، وجودیت، رمزیت اور فن برائے فن جیسے ادبی مکتبہائے فکر کہیں نہ کہیں وحدانیت اور اسلامی تعلیمات کے خلاف انسانیت کی گمراہی کا سامان فراہم کرتے ہیں، جب کہ اسلام یہ گوارا نہیں کرتا کہ کوئی ردی، مہلک ومفسد شے انسانی زندگی کا حصہ بنے، اور وہ اس کا خوگر و دلدادہ ہو کر اپنی زندگی جیسی قیمتی اور بنیادی امانت خدوندی میں خیانت کا مرتکب ہو، چنانچہ اسلام کی نظر میں ادب اسلامی دعوت کی تبلیغ، ابدی پیغام کی ترسیل، انسانی زندگی کے مسائل کا اسلامی حل، اخوت اسلامی کے فروغ کا ذریعہ، اخلاقیات کو عام کرنے کا طاقتور آلہ، معاشرے کی تعمیر کا کارگر ہتھیار اور انسان کے ذہنی اضطراب کے لیے ایمانی سکون فراہم کرنے کا ذریعہ بھی ہے اور فطرت انسانی کی تفریح وراحت کے لیے پاکیزہ و پرسکون فضا بھی، اس کا دائرہ کار تمام تر وسعتوں سے بالاتر ہے، کوئی نظریاتی اور فلسفیانہ قید اس کو محدود نہیں کرسکتی سوائے اسلامی حدود کے کہ ان کا پاس ولحاظ بہرحال لازمی ہے، اسی لیے اسلامی ادب کا دائرہ کار، انسان، اس کی زندگی اور کائنات کی وسعتیں قرار پاتا ہے۔ اور اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: ''ادب اسلامی نام ہے اس فن پارے کا جو بامقصد ہونے کے ساتھ ادیب کے اس وجدان کا نتیجہ ہو جسے اس نے قرآن وسنت کی روشنی میں انسان اور اس کی زندگی کے حقائق اور کائنات کے متعلق اسلامی تصورات سے اخذ کیا ہو۔'' یہ ادب زندگی سے بھرپور ادب ہے، اس میں تفریح طبع کا ساز بھی ہے اور حرارت ایمانی کا سوز بھی، یہ تسکین قلب کا ذریعہ بھی ہے اور اخلاقیات کا معلم بھی، ادبی ذوق کا سامان بھی میسر کرتا ہے اور ایمانی ذوق کے تقاضے بھی پورا کرتا ہے، معاشرے کے مسائل کو بھی حل کرتا ہے اور اسلام مخالف افکار وتحریکات پر بھی قدغن لگاتا ہے، غرض یہ کہ

فطرت سلیمہ کے عین مطابق یہ ادب بشری تقاضے پورے کرنے کے ساتھ دل، دماغ اور روح تینوں کو بیک وقت غذا فراہم کرتا ہے۔

یہاں یہ سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ اسلامی ادب کی یہ اصطلاح دور حاضر میں ہی کیوں رائج ہوئی اور اسلامی ادب کی تحریک عہد جدید میں ہی کیوں چلائی گئی؟ اور ''ادب اسلامی'' کے خطوط اس طور پر کیوں وضع کیے گئے گویا وہ ایک ''ادبی اسکول'' ہے؟ اس کا صحیح اور علمی جواب تو یہ ہے کہ تنقید کی تاریخ کے کسی دور میں بھی اس طور پر مکاتب فکر نہیں موجود تھے کہ وہ کسی نہ کسی نظریہ ادب سے متاثر ہوکر اس کی نمائندگی کرتے ہوں، ادبی تنقید کی تاریخ میں فیصلے فن کی بناء پر ہوتے تھے، فنی حسن وقبح کے ہی سبب الگ الگ رجحانات تھے، ادبی مکاتب فکر عام طور سے مغرب کی پیداوار ہیں، جب مغرب سے اختلاط ہوا تو مسلم ادباء بھی کسی نہ کسی ادبی اسکول کی نمائندگی کرنے لگے، اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ان ادبی اسکولوں کا اگر اسلامی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مکتب فکر کی بنیاد کسی نہ کسی خاص انسانی تصور وفلسفہ پر ہے، جو کہ ادب وفن تک ہی محدود نہیں بلکہ کائنات وحیات اور انسان کے متعلق بھی اس کا خاص نظریہ ہے، چنانچہ جب مسلم ادباء بھی ان نظریات کی نمائندگی کرنے لگے تو شدید ضرورت پیش آئی کہ ''ادب اسلامی'' کی تحریک پوری قوت کے ساتھ چلائی جائے اور اس کے خطوط وضع کیے جائیں۔

پھر ظاہر ہے کہ جب اسلام کا عروج تھا اور مسلمان مذہبی، علمی، ثقافتی اور حکومتی سطح پر اس لائق تھے کہ وہ باطل کے حملوں کا بھرپور جواب دے سکیں تو اس نام سے باقاعدہ یہ تحریک چلانے کی ضرورت نہ محسوس ہوئی، البتہ یہ ادب ہر زمانے میں موجود رہا، تاریخ کا کوئی دور اس ادب کے شہ پاروں سے خالی نہیں، خود اردو میں اقبال

وحالی اور اکبر جیسے شعراء اور مغرب کے ناقدین موجود ہے۔ جن کی تخلیقات اسلامی ادب کی نمائندگی کرتی ہیں، ان کے سامنے اسلامی ادب کا رجحان پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ ان کی تخلیقات خود نظریہ اسلامی کی نمائندہ اور ان کی فکر اسلامی کا نتیجہ ہیں۔ مورخین کی کج روی کی شکایت تو بڑے بڑے ناقدین نے بھی کی ہے کہ انھوں نے اس ادب کو درخور اعتنانہ سمجھا اس کی ادبی حیثیت سے انکار کیا، اس دور میں جب کہ ادب کو مختلف لبادوں میں مزین کرکے لوگوں کی خواب گاہوں تک پہنچایا گیا، اور باقاعدہ، کمیونزم، مارکسزم، صہیونیت، مسیحیت اور سرمایہ دارانہ نظام اور بالکل آخر میں سیکولرزم کے خوبصورت وفتنہ پرور اصولوں کو ناول، افسانے کا پیکر دے کرنئی نسلوں کے ہاتھوں تک پہنچایا گیا، جب عرب ملکوں بالخصوص مصر اور خود ہندوستان میں ایک بڑی تعداد مغربی افکار کی شناعت ولعنت کو برا کہنے سے بھی معذور ہوگئی تو مجبوراً باقاعدہ ادب اسلامی کی تحریک چلانی پڑی، اس تحریک کے اثر سے افسانوی ادب میں معیاری نمونے وجود میں آئے اور عرب ادباء کی ایک بڑی جماعت کلمہ طیبہ کے نقطۂ اتحاد پر جمع ہوکر اپنی تخلیقی کاوشوں کو مغرب کے مقابلے کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہوگئی، ورنہ غیر افسانوی ادب میں یہ تحریک پورے زور وشور سے دور استعمار میں ہی شروع ہوگئی تھی، جس کو استعماری طاقتوں کے ٹوٹنے کے بعد بھی جاری رکھا گیا، جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، رشید رضا، سید قطب، محمد قطب، مصطفی صادق الرافعی، امیر شکیب ارسلان علی احمد باکثیر اور نجیب کیلانی جیسے اصحاب فکر اسلامی نے اگر عالم عرب میں اسلامی ادب کی شمع روشن کی تو برصغیر ہند وپاک میں علامہ شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، سید سلیمان ندوی، مولانا مودودی، الطاف حسین حالی، اکبر الہ آبادی، مسعود عالم ندوی، ابوالحسن علی ندوی، عبدالماجد دریا آبادی، ماہر القادری، عامر عثمانی اور حکیم مشرق علامہ

اقبال جیسے اصحاب فکر وفن نے قندیل ربانی روشن رکھی۔

زمانہ قدیم میں جس طرح شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، دور جدید میں اس کی جگہ افسانوی ادب نے لے لی، عربی اور اردو میں یہ بات مشترک ہے کہ قدیم دور شاعری کا دور تھا، لیکن اب شعراء کے مقابلہ ناول وافسانہ نگاروں اور کہانی نویسوں کی قدردانی ہے، ہر عام وخاص افسانوی ادب کا دلدادہ ہے، یہ فن مثقف وغیر مثقف، مردوزن اور شباب وکہولت سمیت سبھی گلیاروں میں مقبول ہے، چونکہ اس کے کردار، پلاٹ اور اسلوب کی کشش اسی طرح عقلوں کو مسحور اور دلوں کو مسخر کرتی ہے جس طرح الیکٹرانک میڈیا کے سیریل اور فلمیں اثر ڈالتی ہیں، بلکہ افسانوی ادب کی تاثیر اس سے بھی زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ دور جدید میں ہر نظریہ کی ترویج کے لئے ناول کا پلاٹ استعمال کیا گیا اور اس کے ذریعہ نظریات کو مقبول عام بنانے کی کوشش کی گئی، اسلامی ادب کی دعوت دینے والے اس کی اہمیت وضرورت کو بھانپ گئے، اس کی سحر آفریں تاثیر کا راز ان پر کھل گیا، اور قرآن وحدیث میں وارد قصے ان کے لیے دلیل بن گئے، پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے اس میدان میں اسلامی ادباء نے مختصر کہانیوں، ناولوں اور افسانوں کا ایسا ذخیرہ تیار کردیا جس سے نئی نسل کے نہ صرف ایمان وعقیدے کی حفاظت کی ضمانت ملی بلکہ ان کو مذہب بیزار تحریکوں کی گود میں گرنے سے بچا لیا گیا اور مغرب کی فکری یلغار کا مقابلہ کیا گیا، لیکن افسوس اس پر ہے کہ یہ کام جس قدر عربی میں ہوا اسی قدر اردو کا دامن اس سے خالی رہا، خال خال اگر ایسی کوششیں کی گئیں تو ان میں یا توفن کی کمی رہی یا ان کوششوں کو انجام دینے والوں پر غالباً نیک نیتی کے باوجود پورے طور پر ادب اسلامی کے خدوخال اور اصول واہداف واضح نہ ہونے کے سبب ان تخلیقات کا رشتہ ادب اسلامی کے اصولوں سے کمزور رہا، پہلی وجہ کے سبب

ناقدین ادب نے لائق اعتناء نہ سمجھا تو دوسری وجہ اسلام پسند طبقہ کے لئے حجاب بن گئی، اوراس طرح یہ کوششیں بھی بارآور نہ ہوسکیں، پھر زیادہ تر ان کوششوں کا محور تاریخ اسلامی ہی رہی جب کہ اسلامی افسانوی ادب کے مصادر میں تاریخ اسلامی اور سیرت کے علاوہ معاصر مسائل، کفروایمان کی کشمکش اور وہ تمام موضوعات ہیں جن کی اسلام اور اسلامی معاشرے سے مقابلہ آرائی ہو، اردو میں تاریخ اسلامی سے مستفاد یا کچھ اوراس جیسی کوششیں جو ہوئیں وہ اس طرح کی ہیں کہ ان میں اسلامیت تو موجود ہے لیکن مکمل طور پر وہ نظریہ ادب اسلامی کی نمائندگی نہیں کرتیں۔ بالکل اس طرح جیسے عربی میں افسانوی ادب کے سرخیل مشہور اسلامی ناول نگار ڈاکٹر نجیب کیلانی کی تخیلقات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، پہلے دور کی تخلیقات اسلامی مبادیات اور اسلامی افکار سے خالی تو نہیں ہیں لیکن نظریہ ادب اسلامی کی مکمل تطبیق بھی ان پر نہیں ہوسکتی، البتہ دوسرے دور میں انھوں نے نظریہ ادب اسلامی کو سمجھ کر اس کے اغراض و شرائط اور خصوصیات کا اپنی تخلیقات میں بھرپور مظاہرہ کیا ہے، مشہور عیسائی عربی ادیب جرجی زیدان کے متعدد تاریخی ناول اپنی ادبی شان کے ساتھ اسلامی تاریخ کو پیش کرتے ہیں؟ لیکن محض اسلامی تاریخ کو پیش کرنے سے وہ اسلامی ادب میں شامل نہیں ہوسکتے، کیونکہ ان میں نہ صرف نظریہ ادب اسلامی کی نمائندگی نہیں بلکہ درپردہ اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کے ساتھ معروف اسلامی شخصیات کی غلط تصویرکشی بھی کی گئی ہے، اور تاریخ اسلام کے روشن ابواب کو کم نیز تشنہ و کشمکش سے پُر ادوار کو زیادہ موضوع بنایا گیا ہے، جس کی جھلکیاں درون کتاب نظر آئیں گی۔

اردو میں اس فن سے بے اعتنائی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جن تخلیق کاروں کو یہ صلاحیت عطا ہوئی ان کو توفیق نہ ملی اور وہ کسی نہ کسی دیگر نظریہ ادب کے ہی ترجمان

رہے، اگر ادب کو زندگی سے جوڑنے اور سماجی الجھنوں پر قلم اٹھانے کی ہمت بھی کی تو مسئلہ کا اسلامی حل پیش کرنے سے یا تو قاصر رہے یا جرأت نہ کر سکے، بہت حوصلہ سے کام لیا تو بعض سماجی مسائل پر مبنی ناولوں اور افسانوں میں اصلاحی کوششوں کو مشرقی تہذیب اور اس کے اصولوں کا نام دیا گیا، لیکن اسلامی اقدار و روایات کی روشنی میں موضوعات کو حل کرنے کی ہمت پھر بھی نہ ہوئی، جو طبقہ اسلامی ادب کا قائل وداعی ہے، اس میں یا تو ایسے تخلیق کار نہ رہے جو اس طرح کی ادبی کوششیں پیش کرتے یا اس صنف میں جنس و فحش کی بھرمار نے ان کو اس میدان میں طبع آزمائی کرنے سے روکے رکھا۔ ہاں کچھ لوگوں نے اصلاحی اور اعلی اقدار پر مبنی ناول ضرور پیش کیے، جن میں سرفہرست ڈپٹی نذیر احمد کا نام ہے، لیکن ان کا طرز آگے نہ بڑھ سکا، اور فیض جاری نہ رہ سکا، اسالیب کی نت نئی تبدیلی اور فن کی روز افزوں ترقی کے سبب، وہ ناول خود ماضی کا ایک خوبصورت و مؤثر واقعہ بن کر رہ گئے، اگر ادب اسلامی کے فنی خدوخال کو واضح کیا جاتا اور تنقیدی بحثوں سے مقصد وفن کو برتنے کے اصول وضع کیے جاتے تو شاید یہ رجحان پروان چڑھتا رہتا اور کچھ نہ کچھ اہل قلم اس کی آبیاری کرتے رہتے۔

بہر حال قصہ کا تصور ہر دور میں موجود رہا ہے، عربی اور اردو میں یہ بھی قدرے مشترک ہے کہ قصہ کی اصل اور ابتدا قصہ گوئی یا داستان گوئی ہے، پھر مغرب کے اثر سے اس کی نئی اور فنی تقسیم عربی میں روایة ، مسرح، قصة قصيرة اور اقصوصة کے نام سے ہوئی تو اردو میں ناول، افسانہ، کہانی، مختصر کہانی وغیرہ کی اصطلاحیں عام ہوئیں، یہ بات الگ کہ عربی میں آج بھی قصہ اور قصص کا لفظ مستعمل ہے اور وہ تمام ذیلی اصناف کا احاطہ کرتا ہے لیکن اردو میں مستعمل نہیں، نثر کی تقسیم کرتے ہوئے افسانوی اور غیر افسانوی ادب کا نام دیا گیا، اور ذیلی تقسیم کا احاطہ اسی

''افسانوی ادب'' کے ذریعہ کیا گیا، البتہ دور جدید میں رائج اصطلاح ''فکشن'' ہے جو اردو میں من وعن مستعمل ہے، فن کا داخیل ہونا تو واضح ہے لیکن اس اصطلاح کا استعمال خود مزید وضاحت کرتا ہے کہ اس فن پر اردو میں مکمل طور پر مغرب کے اثرات ہیں، ہمارے لیے اسلامی فکشن کہنا یوں مناسب نہیں کہ فکشن کی لفظی دلالت مکمل من گڑھت پر مبنی ہے جب کہ اسلامی قصہ یا اسلامی افسانوی ادب میں مکمل من گڑھت کی اس طرح گنجائش نہیں، اس کتاب کی ترتیب میں سب سے بڑی جو دشواری پیش آئی وہ یہی تھی کہ عربی میں قصہ کے مدلول کو اردو میں کئی کئی الفاظ سے تعبیر کرنا پڑا، لہذا کہیں تمام اصناف کا ذکر ہو پایا اور کہیں رہ گیا، اس لیے دوران مطالعہ یہ ملحوظ رہے کہ یہ کتاب ہر جگہ ''افسانوی ادب'' یا ''ناول نگاری وافسانہ نویسی'' سے ناول، افسانہ، مختصر کہانی اور ڈرامہ وغیرہ سبھی کا احاطہ کرتی ہے۔

ادب اسلامی کے محرکین نے اس صنف ادب کو بھی اسلامی رنگ میں رنگ دیا اور Islamization of Literature کا فریضہ انجام دیا، لیکن اردو میں یہ کام ہنوز باقی ہے، مذکورہ کتاب اسلامی ادب کی تعریف، مفہوم اور اس کے فنون ومقاصد پیش کرنے کے ساتھ جہاں عربی میں افسانوی ادب کی تاریخ، اس کے تطور و ترقی کے مراحل، اور اس پر مغربی نظریات کی تاثیر پر روشنی ڈالتی ہے وہیں دوسری جانب قصص قرآن اور قصص حدیث کا فنی تجزیہ پیش کرتی ہے جو ہر زبان کے لئے معیار ونمونہ ہیں، جن کے فنی محاسن ومظاہر اور موجودہ افسانوی ادب کے مطابق ان میں فنی عناصر کو دیکھ کر ان کی تطبیق سے اسلامی افسانوی ادب کا ذخیرہ تیار کیا جا سکتا ہے، آخری صفحات میں اسلامی افسانوی ادب کی خصوصیت، شرائط اور اس کے مقاصد واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے نہ صرف اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوتا

ہے جس کی ضرورت کا شدید احساس اور اس کی کمی پر افسوس ہوتا ہے۔

مجھے اس وقت اس کمی کا شدید احساس ہے کہ اردو کے بعض ناولوں کا تنقیدی جائزہ میں اس کتاب میں نہ پیش کر سکا کہ یہ بات اور مدلل ہو جاتی کہ اردو میں اسلامی افسانوی ادب کی کمی کا کیوں احساس کیا جا رہا ہے اور جو تحقیقات موجود ہیں ان میں کون سی کمیاں رہ گئی ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اردو میں واقعی اس طرح ادب اسلامی کی وضاحت کی گئی اور نہ اس کے اصول و شرائط کو ادبی اور افسانوی تخلیقات میں پورے طور پر برتا گیا جس کی ضرورت ہے اور اسلامی ادب ہونے کے سبب جس کا مطالبہ ہے اور جس کی بہترین مثالیں عربی ادب میں موجود ہیں۔

بات ختم کرنے سے قبل ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے اساتذہ و محسنین و معاونین کے شکریہ کا خوشگوار فریضہ ادا کرتا چلوں۔ اس کتاب میں پروفیسر سید احتشام احمد ندوی کی ایک حوصلہ افزا تحریر شامل ہے جو انھوں نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود مطالعہ کرنے پر لکھ دی، میں اس کے لیے ان کا شکر گذار ہوں۔ مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی کا بھی میں صمیم قلب سے شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اپنے گراں قدر مقدمہ سے نہ صرف کتاب کے وقار و معیار میں اضافہ کیا بلکہ اس کو اعتبار بھی عطا کیا، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے جزیل عطا فرمائے، استاد محترم ڈاکٹر محمد سمیع اختر صاحب نے بھی اپنی ایک قیمتی تحریر سے کتاب کی زینت میں اضافہ کیا، میں ان کا بھی احسان مند ہوں، اور سب سے بڑھ کر علامہ ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن کے ذمہ داران شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے طباعت کا بوجھ برداشت کیا اور اس دور میں بھی علمی و ادبی خدمت کو سراہتے ہوئے اسے حسن انجام تک پہنچایا۔

کتاب کی ترتیب میں جو رفقاء کسی طرح کے بھی معاون رہے ہیں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں بہترین اجر عطا کرے، بالخصوص میرے شاگرد عزیز فیض الاسلام ندوی کو خوب علمی وعملی ترقیات سے نوازے اور علم وادب کا ذوق سلیم عطا کرے جو ہر قدم پر معاون ثابت ہوئے۔

اس خوشگوار موقع پر میں اپنے والدین کا بھی شکر گذار ہوں جن کی عنایتوں اور قربانیوں کے باعث میرا علمی وتعلیمی سلسلہ جاری ہے اور اپنے اس رفیق زندگی کو کیوں کر بھول سکتا ہوں جس کی ذمہ دارانہ رفاقت اور قناعت پسند زندگی مجھے بے فکر اور رواں دواں رکھنے میں معاون ہے۔

اللہ تعالیٰ سب معاونین ومحسنین کو بہترین اجر عطا فرمائے اور اس کتاب کو قبولیت عطا فرمائے، اس کے نفع کو عام فرمائے اور میرے لیے ذریعہ نجات بنائے (آمین)

محمد طارق ایوبی ندوی

علیگڑھ

۲۰۱۳/۱/۱۵ء

فصل اول

ادب اسلامی

ادب اسلامی کا مفہوم:

عام طور پر جب ''ادب اسلامی'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو اکثر لوگوں کا ذہن عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کے ادب کی طرف جاتا ہے، مزید اس میں عہد بنی امیہ کا اضافہ کر لیا جاتا ہے (۱) اسی طرح خاص اردو داں طبقہ اس اصطلاح کا مطلب ان ادبیات کو گردانتا ہے جو تفسیر و حدیث، سیرت اور اسلامی تعلیمات کی تشریح پر منحصر ہوں، بہر حال اس صورت حال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء و مورخین ادب کے یہاں ''ادب اسلامی'' ایک عہد کا ادب ہے، نہ کہ کسی فکر کا نمائندہ ہے، جب کہ ''ادب اسلامی'' دیگر ادبی مدارس و مکاتب فکر (Schools of leterature and schools of thoughts) کی طرح ایک ادبی اسکول اور مکتب فکر ہے۔

اس اصطلاح کا وہ مفہوم جو دور جدید میں تحریکی انداز میں پیش کیا گیا، وہ نہ صرف مذکورہ بالا مفاہیم سے جداگانہ ہے بلکہ وہی صحیح بھی ہے، اس نظریہ کے مطابق ''ادب اسلامی'' ایک عالمی و آفاقی فکر کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے، اور اسلامی روح کو بیان کرتا ہے، نیز انسانی زندگی کے سلسلہ میں اسلامی تصور کو بیان کرنا اور اس میں انسان کے کردار کی وضاحت کرنا اس کا خاصہ ہے، متعدد اسلامی ادباء نے اس کی الگ الگ تعریفات کی ہیں جو در حقیقت لفظی فرق کے ساتھ ایک ہی مفہوم و مضمون پر مشتمل ہیں۔

چنانچہ مشہور اسلامی ادیب و ناقد محمد قطب مصری اسلامی فن کی تعریف کرتے

ہوئے کہتے ہیں، یہ ملحوظ رہے کہ ادب ان کی نظر میں فن کی ایک فرع ہے ''ادب اسلامی کائنات، انسان اور زندگی کے متعلق اس خوبصورت تعبیر کا نام ہے جو انسان، زندگی اور کائنات کے سلسلہ میں اسلامی تصور کے عین مطابق ہو'' (۲)

ڈاکٹر عماد الدین خلیل کے مطابق ''وہ خوبصورت تعبیر جو وجود کے سلسلہ میں اسلامی تصور کے مطابق ہو'' (۳)

ڈاکٹر عبد الرحمن رافت باشا نے دونوں تعریفات کو جمع کرتے ہوئے ان الفاظ میں تعریف کی ہے ''کہ ادب اسلامی وہ بامقصد فنی تعبیر ہے جو زندگی، کائنات اور انسان کے متعلق ادیب کے اس وجدان کا نتیجہ ہو جس کو اس نے خالق ومخلوق کے تئیں اسلام کے عطا کردہ تصور سے اخذ کیا ہو'' (۴)

مذکورہ بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کلام کے ادب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جمال وفن سے عبارت ہو، اس کو ادبی اعتبار عطا کرنے کی یہ بنیادی شرط ہے، جب کہ ادب کے اسلامی ہونے کی شرط یہ ہے کہ کائنات وحیات اور انسان کے تئیں جن خیالات کا بھی اظہار کیا جائے وہ ان کے بارے میں عطا کردہ اسلامی تصور کے خلاف نہ ہوں، اور ظاہر ہے کہ کائنات وحیات اور انسان کے سلسلہ میں اسلامی تصور کا سرچشمہ قرآن کریم، حدیث نبوی ہے اور ایمان باللہ اس کا محور ہے، اور یہی ایمان مخلوق وخالق کے درمیان تعلق کی تحدید کرتا ہے اور اسی کے ذریعہ انسان وکائنات ومافیہا کے درمیان کے تعلقات کی تحدید ہوتی ہے اور یہی ایمان انسان کے سامنے زندگی کا مقصد واضح کرتا ہے، اور اس کے انجام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور خالق ومدبر ہے، اس کی الوہیت وربوبیت کی حقیقت بہت خوبصورت شکلوں میں انسان کے لیے بڑی واضح ہے، جو

چیز بھی وجود میں آتی ہے وہ اسی کی تخلیق کا نتیجہ ہے وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے، اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں وہ لامحدود ہے، پوری کائنات میں ہر چیز کا وجود اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے، اور وہ اسی کے حکم کی تابع ہے، قرآن کریم نے اس کی بڑی خوبصورت تصویر کشی کی ہے، اس مضمون کی آیات میں سے اس آیت کی تعبیر دیکھئے "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح" (۵) اور آسمان دنیا کو ہم نے بے شک مزین کیا مصابیح سے"۔

انسان کو اس کائنات و فضاء بسیط میں ہر چہار جانب بکھرے ہوئے مظاہر قدرت میں غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے جو سب کی سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، ارشاد ہے، "إن فی خلق السماوات و الارض واختلاف اللیل و النهار لآیات لأولی الألباب" (۶) "بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل ونہار کی آمدورفت میں اہل دانش کے لیے نشانیاں ہیں"، اگر انسان کے اس کائنات سے تعلق کی بات کی جائے تو یہ تعلق تسخیر کا ہے، چنانچہ آسمان اور اس میں جو کچھ بھی ہے اسی طرح زمین اور اس پر جو کچھ ہے سب انسان کے لئے مسخر کردیا گیا ہے تاکہ اس کے لیے سامان زندگی کی فراوانی ہوسکے، ارشاد باری ہے "وسخر لکم ما فی السماوات و ما فی الارض جمیعا منه" (۷) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب تمہارے لیے مسخر کردیا گیا، اسی بناء پر تمام موجودات کا انسان کے ساتھ سلوک تعاون، اطاعت اور عاطفت پر مبنی ہے، ان کے درمیان کسی طرح کی عداوت و نفرت نہیں پائی جاتی۔

اسلامی تصور کے مطابق انسان اللہ تعالیٰ کی تمام زمینی مخلوقات میں سب سے اشرف و اعظم و مکرم مخلوق ہے، اللہ کی زمین میں وہی اس کا خلیفہ ہے، "واذ قال ربك

للملاء كة إني جاعل في الارض خليفة "(۸) اور جب کہا تمہارے رب نے کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"، وہ اپنے رب کے نزدیک مکرم ہے "ولقد کرمنا بنی آدم" (۹) اور اللہ نے اس کو بہترین صورت پیدا کیا ہے: "وصورکم فاحسن صورکم" (۱۰) پھر اسی پر خالق نے اکتفا نہیں کی بلکہ اس کو وہ تمام وسائل و اسباب عطا کیا جس سے اس پیغام و وظیفۂ حیات کی انجام دہی ممکن ہو جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، اور وہ وظیفہ "بندگی" ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سماعت و بصارت اور دل کی نعمت عطا کی وجعل لکم السمع والأبصار والأفئدة (۱۱) انسان مٹی کی ایک مخلوق ہے جس میں اللہ نے روح پھونکی ہے، چنانچہ زمینی حقیقت کے اعتبار سے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی جسمانی ضروریات کو پورا کرے، جس کے لیے کھانا، پانی اور جنس کی تخلیق کی گئی، ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ روح کے مطالبات وتقاضے بھی پورے کیے جائیں: "وابتغ فيما آتاك الله الدار الآخرة و لا تنس نصيبك من الدنيا" (۱۲)

اس کے بعد انسانوں کے تئیں اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ بشریت کے رشتہ سے آپس میں سب بھائی ہیں، اس لئے کہ ان کی تخلیق ایک جان سے ہوئی ہے، ابتدا و انجام سب میں مشترک ہے، پھر سب مسلمان محض اسلام کے باعث آپس میں بھائی ہیں، ان میں سے کسی کو کسی پر تقویٰ کے علاوہ کسی اور سبب سے کوئی فضیلت و تفوق حاصل نہیں۔

زندگی کے متعلق بھی اسلامی تصور بہت صاف ہے، چنانچہ اسلامی تصور میں زندگی یوں ہی بے مقصد نہیں عطا کی گئی بلکہ موت و حیات کی تخلیق ہی اس لیے ہوئی کہ انسان کو عملی اعتبار سے آزمایا جائے (۱۳) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نہ انسان کو بے کار پیدا کیا گیا، اور نہ ہی اسے بے لگام چھوڑ دیا گیا، اور نہ ہی اس کی زندگی محض

لذت آشنائی ولذت اندوزی کی جولان گاہ کی انجام قرار دی گئی، بلکہ زندگی دی ہی اس لیے گئی کہ نہ صرف انسان بلکہ جنات اپنے رب کی عبادت کریں۔(۱۴)اور یہ گمان نہ کریں کہ ان کو بے کار پیدا کیا گیا اور پھر لوٹ کر مالک حقیقی کی طرف نہیں جانا ہے۔(۱۵)اور نہ ہی یہ گمان ہو کہ ان کو بے کار چھوڑ دیا گیا ہے۔(۱۶)

کائنات وحیات اور انسان کے سلسلہ میں اسلام کا یہ تصور انتہائی واضح، وسیع کامل اور جملہ تفصیلات وباریکیوں پر محیط ہے، یہ ایک ایسا متوازن ومعتدل تصور ہے جو انسانی اقدار کی قدر وقیمت کو اسی معیار پر پرکھتا ہے اور کسی طرح کی زیادتی نہیں کرتا، حتیٰ کہ اس تصور میں کسی ایک جہت کی پاسداری کے لیے دوسری جہتوں سے چشم پوشی نہیں کی جاتی۔ چنانچہ اس وسیع ومحیط تصور سے ایک بلند، باعظمت اور بامقصد انسانی فن کا وجود پذیر ہونا عین ممکن ہے، جو فن انسانی زندگی کی تمام جہتوں کا احاطہ کرتا ہو، ظاہر و باطن، فرد وجماعت، ضرورت وشوق، واقعیت وتمثیل، روحانی، مادی اور عقلی تاثر سب اس فن میں موضوع بحث بن سکیں، اسی تصور کے سبب ''ادب اسلامی'' کے داعی یہ سمجھتے ہیں کہ ادب اقدار سے الگ نہیں کیا جاسکتا، بالواسطہ یا بلاواسطہ وہ روایات و اقدار کو ضرور بیان کرتا ہے ورنہ اگر ادب کو مجرد کر دیا گیا تو بغیر اقدار کے اس ادب کی کیفیت ان کھوکھلی عبارتوں کی ہوگی جن میں کوئی حقیقی مضمون نہ ہو۔(۱۷)

چنانچہ جو ادب تصور اسلامی سے وجود پاتا ہے اس کا وظیفہ تخلیق وہی ہوتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ کی سیرت میں شاعری کے متعلق واضح طور پر نظر آتا ہے، آپ ﷺ کی دعوت کی ترویج وتبلیغ اور اسلام ومسلمانوں کے دفاع میں یہی شاعری تمام تر دلائل اور سیف وسنان سے زیادہ کارگر ہتھیار ثابت ہوئی اور اس نے اپنے لیے نئی راہ کا انتخاب کیا اور نئی دعوت کی ترجمان بن گئی، اس کے غلبہ کے گن گانے لگی اور

عقائد کی تطہیر میں اس دعوت کے مبادی کو عام کرنے لگی، دنیا وآخرت کے لیے نمایاں کام کرنے کے ساتھ اصلاح معاشرہ میں نمایاں کردار ادا کیا۔(۱۸)

وہ شعراء جن کو شعراء الرسول کا خطاب دیا گیا، ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی شاعری کو دعوت اسلامی کی خدمت کے لیے خوب استعمال کیا، ان شعراء میں پیش پیش حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک وغیرہ ہیں اور ان ہی لوگوں کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "إن المومن يجاهد بسيفه ولسانه" (۱۹) "مومن اپنی تلوار اور اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے،" یہی نہیں بلکہ رسول اللہ نے یہ فریضہ ہی ان کے سپرد کردیا۔ "جاهدوا المشركين بأموالهم و أنفسهم و ألسنتهم" (۲۰) "مشرکین سے جہاد کرو اپنے اموال اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعہ" آپؐ نے اس سلسلہ میں توجیہات بھی فرمائیں چنانچہ آپ نے بسا اوقات شاعری اور بعض شعراء کی تعریف وتوصیف بھی کی اور یہی نہیں بلکہ بعض شعراء سے آپؐ نے ان کا کلام بھی سنا اور ان کو شعر گوئی پر ابھارا بھی،(۲۱) صحابہ اور خلفاء راشدین کے یہاں بھی اس طرح کی توجیہات اور تنقیدی موقف ملتے ہیں بطور مثال حضرت عمر بن خطاب کا یہ موقف عین اسلامی تصور کے مطابق ہے کہ وہ زہیر بن ابی سلمی، کو دیگر شعراء پر صرف اس لیے ترجیح دیا کرتے تھے کہ وہ آدمی کی تعریف ومدح سرائی میں صرف وہی چیزیں نظم کرتا تھا جو درحقیقت اس میں موجود ہوا کرتی تھیں۔(۲۲) مختصر یہ کہ شاعری ہو یا دیگر اصناف ادب اگر وہ مذکورہ بالا اسلامی تصور واصول کے موافق ہیں تو ہم ان کو اسلامی ادب میں شمار کریں گے جیسا کہ اولین شعراء اسلام کی شاعری کو اسلامی شاعری میں محض اس بنیاد پر شمار کیا گیا کہ انھوں نے التزام کے ساتھ اسلامی تصور سے اپنی شاعری کو مزین کیا، ادب اسلامی کے داعیوں کی

دراصل منشاء یہی ہے کہ ادب کو تعمیر کا ایک وسیلہ بنایا جائے اور اسلام کو التزام کے ساتھ اپنانے کی دعوت کا ایک ذریعہ بھی بنایا جائے، اور دینی حدود وقیود سے نکل بھاگنے کی تحریک کا ادب کے ذریعہ مقابلہ کیا جائے، کیونکہ دین ہی انسان کو حدود سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے، جبکہ ادب کے ذریعہ بآسانی دین کو معاشرے میں فروغ دیا جا سکتا ہے۔

یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ تاریخ میں آج سے پہلے بھی باقاعدہ ''ادب اسلامی'' کی دعوت کیوں نہیں دی گئی اور اس کے خطوط اس طور پر کیوں نہیں وضع کیے گئے کہ گویا وہ ایک ''ادبی اسکول'' ہے، تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری تنقیدی تاریخ میں تنقیدی مکاتب فکر کا پہلے وجود ہی نہ تھا، ادبی تنقید تو تھی لیکن اس طور پر نہیں کہ وہ کسی ادبی نظریہ سے متاثر اور کسی خاص فکر کی نمائندہ ہو، اس نقطہ نظر کا آغاز دور جدید میں مغرب سے اختلاط کے باعث ہوا، چونکہ اکثر ادبی اسکول اہل مغرب کے یہاں ہی پائے جاتے ہیں، اس لیے جب ان سے تہذیبی وثقافتی اختلاط ہوا تو پھر تنقید میں بھی ان مکاتب فکر کی نمائندگی ہونے لگی، اور بہت سے مسلم ادباء نے بھی ان ہی کی آوازوں میں اپنی آواز ملائی، ان ہی مکاتب فکر میں سے کسی ایک کی نمائندگی کرنے لگے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تمام مکاتب فکر کی بنیاد کسی نہ کسی خاص تصور اور انسانی فلسفہ پر ہے جو فلسفہ صرف ادب وفن اور اس کے اسلوب ومزاج تک محدود نہیں بلکہ کائنات وحیات اور انسان کے متعلق بھی اپنا خاص تصور رکھتا ہے۔ (۲۳)

یہ بات بہت واضح ہے کہ جب تک صحیح اور متوازن طریقہ پر تنقیدی نظریات کو نہیں برتا جائے گا تب تک ایسی فکریں وجود میں آتی رہیں گی کہ کبھی دین کو ادب سے دور رکھنے کی بات کی جائے گی خواہ وہ اقتصادیات وسیاسیات کا نمائندہ ہو، اور کبھی دین کی بنیاد پر فن پر حکم لگایا جائیگا، مثلاً عباسی دور کے مشہور زمانہ شاعر ابوتمام سے متعلق ابو

بکر صولی نے لکھا" کہ ایک طبقہ نے نہ صرف ابوتمام پر کفر کا الزام عائد کیا بلکہ اس کو ثابت بھی کیا، اور پھر اسی کو اس کی شاعری پر طعن کا سبب بنالیا حتیٰ کہ اس کے باعث اس کے محسنات کو بھی قبیح قرار دیا، جب کہ میرا خیال یہ ہے کہ کفر کے سبب شاعری میں کوئی نقص نہیں آتا اور نہ شاعری سے ایمان میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔(۲۴) مذکورہ مثال سے ابوبکر صولی کا نظریہ جو عدل وتوازن پر مبنی ہے اور جس کی ضرورت ہے سمجھا جاسکتا ہے، کہ وہ شاعری کے تئیں تب بھی انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ شاعر کا عقیدہ صحیح نہ ہو، چنانچہ یہ انصاف نہیں ہے کہ ابوتمام کے عقیدے پر حکم لگانے میں اس کی شاعری کے کمال ومحسنات اور اس کے فنی تبحر کو بھی قبیح بتایا جائے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ شاعری اور شاعر کے درمیان تمیز کی جائے، پھر اگر شاعری میں کوئی قبیح بات در آئے تو اس کی نکیر کی جائے، خود ابوبکر صولی اسلام کے سلسلہ میں کسی طرح کی زبان درازی کے قائل نہیں چنانچہ اس بحث کے بعد وہ کہتے ہیں "کسی محقق یا کسی مزاح نگار کے لیے یہ زیب نہیں دیتا ہے بلکہ جائز ہی نہیں کہ وہ زبان سے کوئی لفظ ادا کرے یا دل میں کوئی عقیدہ ایسا رکھے جس سے اس پر اللہ کا غضب ہو، بلکہ اس جیسی کوئی بھی چیز ہو تو اس سے توبہ کرنی چاہئے" (۲۵)

اس کے ذریعہ ایک اور بات جس کا ذکر گذرا مزید واضح ہوجاتی ہے، کہ ہماری تنقیدی میراث میں ایسی بہت سی مثالیں اور اقوال ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے پہلے باقاعدہ ادب اسلامی کو ایک مکتب فکر کی حیثیت سے اپنانے کی دعوت کی ضرورت نہ تھی، اس لیے کہ صحیح فہم اور صحیح موقف ہر دور میں موجود تھا، ایسا طبقہ ناقدین کا ہر دور میں موجود رہا جس نے فن کی قدر کی لیکن کبھی بھی فن کے ساتھ غیر اسلامی نظریات کو قبول نہیں کیا، چنانچہ "ادب اسلامی" دونوں پیمانوں کی تعیین کرتا ہے اور دونوں کی رعایت کرتا ہے، وہ ایک طرف فکر ومضمون کو پرکھتا ہے کہ وہ اسلامی

بنیادوں اور مذہبی تصورات کی موافقت میں ہے یا مخالفت میں، تو دوسری جانب وہ فنی پیمانہ بھی اس رعایت کا پابند بناتا ہے کہ کہیں کسی ادبی صنف کا سہارا لیا جائے اور وہ صنف خود اسلامی تصورات کی مخالفت کا ذریعہ بن جائے۔ اس بات کو اس مثال سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول کریمؐ مسلمان شعراء کو اسلام کی مدح سرائی اور مسلمانوں کے دفاع کا حکم دیا کرتے تھے، کفار کا جواب دینے کے لیے بھی کبھی اصناف شعر میں سے ''ہجوگوئی'' کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ہجو اگر کفار مکہ کی ہوتی، تو کفار مکہ کی قیادت قریش کے پاس تھی اور ان میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے، اور یہ کسی طور بھی ممکن نہ تھا کہ آپ کی شان میں گستاخی سرزد ہوتی اور اگر ایسا ہو جاتا تو محض فن کی ایک شکل یعنی صنف شعر ''ہجوگوئی'' کے سبب اس عظیم اور مہتم بالشان اسلامی تصور کی خلاف ورزی ہوتی، کہ رسول کی شان میں ادنی سی بھی گستاخی جرم عظیم ہے۔ فکر وفن کے یہ دونوں پیمانے رسولؐ کے اپنے شعراء کے ساتھ پائے جانے والے موقف سے مستنبط ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت ہے'' کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ قریش کی ہجو کرو کہ یہ ان کو تیر مارنے سے زیادہ سخت ہے، چنانچہ آپ نے پہلے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو حکم دیا اور کہا ان کی ہجو کرو تو انھوں نے ہجائیہ شعر کہے لیکن آپ کو تشفی نہیں ہوئی، پھر آپ نے کعب بن مالک کو حکم دیا اور ان کی ہجو سے بھی آپ راضی نہ ہوئے، پھر آپ نے حضرت حسان کو حکم دیا، چنانچہ جب قاصد حسان کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا کہ اب تم لوگ اس شیر کے پاس پہنچے ہو جو اپنی دم سے مارنے والا ہے (یعنی اپنے کو شیر سے اور اپنی زبان کو شیر کی دم سے تشبیہ دی) پھر آپ نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالی اور اس کو حرکت دینے لگے اور کہا: جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اس ذات کی قسم میں ضرور ان کو چمڑے کو پھاڑنے کی طرح اپنی زبان سے

چھوڑ دوں گا، رسولؐ نے فرمایا جلدی نہ کرو ابوبکر قریش کے انساب کے متعلق زیادہ جاننے والے ہیں، اور میرا نسب قریش کے نسب میں شامل ہے، یہاں تک کہ وہ میرا نسب تمہارے لیے ان سے الگ کر دیں، چنانچہ حضرت حسان حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور واپس گئے اور یوں عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر نے ہمارے لیے آپ کا نسب علٰحدہ کر دیا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں آپ کو ان کے درمیان سے اس طرح نکال لوں گا جیسے کہ آٹے سے بال نکالا جاتا ہے، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپؐ حسان سے کہتے تھے کہ بے شک روح القدس تمہاری ہمیشہ تائید کرتے رہتے ہیں کیونکہ تم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدافعت کی، مزید فرماتی ہیں کہ میں نے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حسان نے قریش کی ہجو کی تو ایسی کی جس سے مومنین کو راضی کر دیا (یعنی راحت بخشی) اور کفار کو خاموش کر دیا، اس موقع پر حضرت حسانؓ نے جو قصیدہ کہا اس کا مطلع ہے:

هجوت محمدا فأجبت عنه وعند الله في ذاك الجزاء

هجوت محمدا برا تقيا رسول الله شيمته الوفاء (۲۶)

''تم نے محمدؐ کی ہجو کی تو میں نے ان کے دفاع میں جواب دیا اور اس عمل کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی جزا ہے، تم نے محمدؐ جیسی پاکیزہ و پرہیزگار شخصیت کی ہجو کی جو کہ اللہ کے رسول ہیں اور جن کی عادت مطہرہ ہی وفا ہے''۔

ادب اسلامی کے مقاصد:

ایک اسلامی ادیب اللہ کے اس قول پر ایمان رکھتا ہے قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ، لا شریک لہ و بذالک امرت

وانا اول المسلمین (۲۷) آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے، اور میں سب سے پہلے تسلیم کرنے والا ہوں'' اور افحسبتم انما خلقنا کم عبثا و انکم الینا لا ترجعون (۲۸) ''ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے۔''

اس کے اس ایمان سے اس کا مقصد بھی واضح ہو جاتا ہے، اور اس کا ہدف بھی متعین ہو جاتا ہے کہ ادب کو کس طرح برتے، اس نقطہ نظر کو یہ آیت کریمہ نہ صرف مزید واضح کرتی ہے، بلکہ اور زیادہ متعین کرتی ہے، وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون، (۲۹) ''اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں'' ظاہر ہے کہ ادب زندگی کی جولانگاہ کا ایک حصہ اور کاروبار حیات کا ایک جزء ہے اور میدان جہد کی ایک اہم پوزیشن ہے، چنانچہ اگر انسان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا تو اس کے اقوال کا بھی مواخذہ ہوگا، اسی بناء پر ایک اسلامی ادیب اپنی تخلیقی قدرت کو بے لگام نہیں کر سکتا بلکہ تخلیقی عمل پر خود یہ آیت کریمہ لگام لگاتی ہے، ''ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید'' (۳۰) ''وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے''

ایک اسلامی ادیب کی نظر میں ادب کا وہی مقصد ہے جو اس کا مقصد حیات ہے، چنانچہ زندگی کا اصل مقصد عقیدہ کی تعمیر و اشاعت اور اس کی حفاظت کے ساتھ اس کی خدمت نیز اللہ کی عبودیت کے مقاصد کی بارآوری ہی وہ بنیادی غایت ہے جس سے ذیلی بہت سی غایتیں متفرع ہوتی ہیں، ان میں بعض کو بطور مثال یہاں ہم ذکر کرتے ہیں۔

تربیت:

تربیت کو ہدف بنا کر ایک اسلامی ادیب ان عقائد و افکار اور ان عادات و اقدار کو قارئین تک پہنچاتا ہے جو شریعت کی نظر میں مستحسن ہوں اس غایت کی طرف خود حضرت عمرؓ نے یوں اشارہ کیا: ''انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ تم اپنی نسلوں کو شعر پڑھنے کا حکم دو کیوں کہ شاعری اعلیٰ اخلاق، اور صحیح رائے اور انساب کی معرفت رکھنے پر دلیل ہے'' (۳۱)

جمال:

اسلامی ادب کی ایک غایت یہ بھی ہے کہ جمال کو پیش کیا جائے، کیونکہ انسان اس کی طرف بآسانی مائل ہوتا ہے، اور یہی ادبی جمال اس کے ذوق کو اس قدر بلندی اور شائستگی عطا کرتا ہے کہ پھر وہ کائنات وحیات میں مظاہر جمال کے کھوج میں لگ جاتا ہے (۳۲) یہ وہ مقصد ہے جس کو قرآن کریم کی آیات بھی پیش کرتی ہیں، چنانچہ ان آیات میں جہاں اس اعتبار سے غور کیا جاتا ہے کہ وہ کلام الٰہی ہیں اور مظاہر قدرت کی طرف اشارے کرنے والی اور اس میں غور و تدبر کی دعوت دینے والی ہیں، وہیں اس حیثیت سے بھی ان میں غور کیا جائے تو اندازہ خود ہی ہو جائیگا کہ لفظی و ترکیبی جماں کے ساتھ کس طرح وہ اپنے اندر معنوی جمال کو سموئے ہوئے ہیں، گویا ہر آیت مظاہر جمال کا وہ انمول خزانہ ہے جس سے خالق عزوجل نے اس کائنات کو آراستہ و پیراستہ کیا ہے، چند آیات کو اسی پہلو سے پڑھ جائیے۔

والشمس وضحاها، والقمر إذا تلاها، والنهار إذا جلاها، والليل إذا يغشاها، والسماء وما بناها، والأرض وما طحاها۔ (۳۳)

اور پھر سورۂ غاشیہ کی یہ آیتیں:

أفلا ينظرون إلى الإبل كيف خلقت، وإلى السماء كيف رفعت، وإلى الجبال كيف نصبت، وإلى الأرض كيف سطحت (٣٤)

اور سورۂ ق کی یہ آیت بھی ملاحظہ فرمایئے

أفلم ينظروا إلى السماء فوقهم كيف بنيناها وزيناها وما لها من فروج، والأرض مددناها وألقينا فيها رواسي وأنبتنا فيها من كل زوج بهيج، تبصرة وذكرى لكل عبد منيب، ونزلنا من السماء ماء مباركا فأنبتنا به جنات وحب الحصيد والنخل باسقات لها طلع نضيد، رزقا للعباد وأحيينا به بلدة ميتا، كذلك الخروج (٣٥)

یہ بات تو زبان زد خاص و عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے، خود رسول کریمؐ نے اس کو یوں بیان فرمایا کہ "بے شک اللہ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے" (۳۶) اسی سے ایک مومن کو اس کی ترغیب ملتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس پسندیدہ شے کو محبوب رکھے، اور یہ بات خوب واضح ہے کہ ایک ادیب کی آنکھ نہ صرف جمال کو دیکھنے پر قادر ہوتی ہے بلکہ جمال اس کو سب سے زیادہ اور سب سے پہلے نظر آتا ہے، گویا جمال تک پہنچنے میں وہ بڑا سریع النظر اور مرہف الحس ہوتا ہے، یہی نہیں بلکہ اس جمال سے پھر اپنے ادب کو سجا کر بڑی خوبصورت ہیئت اور اچھے انداز میں پیش کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

تفریح وراحت رسانی:

ادب اسلامی جہاں انسانی تربیت اور اس کی صحیح توجیہات کو پیش نظر رکھتا ہے، اور جمال کو فن کا حصہ اور انسان کے لیے وسیلۂ شوق اور اللہ کی محبوب شے تصور کرتا ہے، وہیں اس کے پیش نظر انسانی ذہن کی راحت وآرام کا سامان فراہم کرنا بھی ہے،

کیونکہ انسانی فطرت اس کی متحمل نہیں کہ وہ مسلسل کسی ایک کام میں مشغول رہے، وہ جب تھکن اور اکتاہٹ محسوس کرتی ہے تو اسے تفریح طبع اور ذہنی سکون کے وسائل کا تقاضہ ہوتا ہے اور اس فطری تقاضہ کو بخوبی پورا کرنا ادب اسلامی کے اہم مقاصد اور بنیادی غایتوں میں سے ایک غایت ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں "روحوا القلوب ساعة بعد ساعة ، فان القلب إذا اكره عمى " (۳۷) "دلوں کو تھوڑی تھوڑی دیر میں آرام دیا کرو اس لئے کہ جب دل کو تھکا دیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔"

اگر عہد رسول اور پھر خلفاء راشدین کے عہد کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد کے شعراء نے اسلامی فتوحات کو موضوع بنا کر ان غایات کو خوب نبھایا ہے، چنانچہ جہاں انھوں نے اسلام کی مدافعت کا کام کیا اور کفر و مشرکین کی ہجو کی اور شہدائے اسلام کے مراثی نظم کیا، وہیں مشرکین پر غالب آنے اور اسلام کے کفر پر فتح پانے کی گفتگو سے مسلمانوں میں ولولہ جوش کی روح پھونک دی، روم و ایران کو زیر کرنے کے حوالے سے اسلامی شعراء کی شاعری نے جذبات کو جلا بخشنے کا کام کیا، لیکن ان ہی جہات کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان ہی قصائد میں حکمت آمیز شاعری بھی ہے اور طبعی جمال کے مظاہر کا انکشاف بھی، گویا بنیادی طور پر ادب اسلامی کی جو غایات ہو سکتی ہیں وہ شاعری اس کا مظہر نظر آتی ہے، جس میں سامان تربیت بھی ہے، اور جو مظہر جمال بھی، اور جس کے مضامین تیغ و سنان سے فرصت ملنے پر لطف و راحت رسانی کا ذریعہ بھی ہیں۔

ادب اسلامی کے فنون:

عہد رسول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ نے اپنے عہد میں رائج فنون ادبیہ کو اسلامی دعوت کے لیے بخوبی استعمال کیا، چنانچہ جہاں فنون ادبیہ

میں سے اس وقت کے سب سے اہم فن شاعری کا رخ آپؒ نے خدمت اسلام کی طرف موڑ دیا وہیں فن خطابت اسلامی شعائر کا ایک جزء بن گئی، اسی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام فنون ادبیہ کو وسیلہ بنا کر اسلامی ادیب ''ادب اسلامی'' کو پیش کرسکتا ہے، اور یہ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ آج یہ واقعی حقیقت بن چکی ہے، عہد جدید کی ادبی اصناف شاعری، ناول وافسانہ اور ڈرامہ میں ہم اسلامی رجحان کی نہ صرف جھلک دیکھتے ہیں بلکہ ایک طاقتور ادبی رجحان کے طور پر ان سب فنون ادبیہ میں اس کی پذیرائی نظر آتی ہے، یہ رجحان جہاں بڑی طاقت کے ساتھ اس دور کے بڑے شعراء مثلاً شوقی، حافظ، احمد محرم اور محمود غنیم و محمد حسن اسماعیل وغیرہ کے یہاں موجود ہے، وہیں شعراء کی ایک بڑی جماعت ہے، جس نے محض اسی ادبی رجحان کو اپنی تخلیقی قوت کا محور بنایا ہے، یہ بات خوب سمجھ میں آجائے اگر "شعراء الدعوة الاسلامیہ"(۳۸) نامی کتاب کا مطالعہ کیا جائے، جس کے مؤلفین نے یہ کوشش کی ہے کہ اس رجحان سے جن شعراء کی شاعری مزین ہے ان کی شخصیت اور ان کے کلام کو اس کتاب میں محفوظ کر دیا جائے، اسی طرح ناول وافسانہ اور ڈرامہ نگاری کے میدان میں بھی بہت مشہور اور عربی میں عہد جدید کے نامور ادیبوں کی ایک فہرست ہے جو اس اسلامی رجحان کو اپنی تخلیقات کی زینت بنا کر دلکش و مؤثر ادب سے مکتبہ اسلامی کو مالا مال کر رہی ہے (۳۹)۔

تحریک ادب اسلامی کی پیش رفت:

اس سلسلے میں قدرے اختلاف ہے کہ ''ادب اسلامی'' کی اس اصطلاح کا سب سے قبل استعمال کس نے کیا، ناقدین کی ایک رائے ہے کہ سب سے پہلے مصری مفکر سید قطب شہیدؒ نے اس کا استعمال کیا، جب کہ ایک مقالہ انھوں نے

''منهج الادب الاسلامی ''کے عنوان سے لکھا جو بعد میں ان کے ایک کتابچہ ''فی التاریخ فکرة و منهاج ''میں چھپا، لیکن دوسری رائے کے مطابق ہندوستان کے ایک مشہور عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس اصطلاح کا استعمال کیا جب کہ انھوں نے المجمع العلمی العربی دمشق میں اس کے ممبر منتخب ہونے پر اپنا مقالہ پیش کیا، عبد الرحمن رافت باشا نے جو کچھ کہا اس میں ''نحو مذہب اسلامی فی الادب الاسلامی ''(۴۰) سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اولیت مولانا کو ہی حاصل ہے جیسا کہ اس کے بعد باشا صاحب نے مولانا کا نام ذکر کیا ہے، کمال احمد فالح المقابلہ نے اپنی کتاب اراء رابطة الادب الاسلامی العالمیة فی الادب و النقد ''میں اس مسئلہ پر دلچسپ بحث کی ہے اور سید قطب کو اولیت دی ہے۔(۴۱)، مومن فریز جرار اور دیگر حضرات نے بھی سید قطب کو ہی اولیت دی ہے، میرے خیال میں اگر سید قطب کو اولیت حاصل ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ یہ فکر پہلے سے موجود تھی جس پر سید قطب، ان کے برادر خورد محمد قطب کی تحریریں دلالت کرتی ہیں۔ پھر مولانا کی اس تحریک سے قبل اس فکر کے تحت نجیب کیلانی اور باکثیر وغیرہ کے ناول منظر عام پر آچکے تھے، مولانا کا تو اصل کام یہ تھا کہ انھوں نے اس اصطلاح کو ایک مکتب فکر کی شکل دی، جس کو تحریکی طور پر برتا گیا اور پھر جن شعراء و ادباء کی تخلیقات کو بے قیمت سمجھ کر نظر انداز کیا جارہا تھا ان کی نہ صرف قدر افزائی ہوئی بلکہ نقادوں نے ان کا ادبی مقام واضح کیا اور پذیرائی ہوئی، بہر حال ادب اسلامی کی اصطلاح کو فروغ دینے میں سید قطب کی ''فی التاریخ فکرة و منهاج ''محمد قطب کی ''منهج الفن الاسلامی ''اور مولانا ابو الحسن علی ندوی کی ''نحو ادب اسلامی ''کو تو خاص اہمیت حاصل رہی ہے لیکن اس کے علاوہ نجیب کیلانی کی ''الاسلامیة و المذاهب الادبیة ''کو خاص

اہمیت حاصل ہے، اسی طرح ڈاکٹر عماد الدین خلیل کی کتاب "فی النقد الاسلامی المعاصر" کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے، اور "نحو منہج اسلامی فی الادب و النقد" ڈاکٹر عبدالرحمن رافت باشا کی وہ خاص کتاب ہے جو اس سلسلہ کی سب سے واضح اور مکمل کتاب ہے، جس میں انہوں نے ایک طرف مغربی ادبی مکاتب فکر اور ان کے فلسفوں کا ذکر کرتے ہوئے اسلام سے ان کا تعارض واضح کیا ہے پھر ادب اسلامی کے خدوخال کی توضیح کی ہے۔ دیگر بہت سارے مصنفین بھی اس راہ میں ہم دوش سفر ہیں، لیکن یہ موقع سب کے تذکرے، اور سب کی کتابوں کی خصوصیت درج کرنے کا نہیں، البتہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ادب اسلامی کی جو تحریک عالم عربی سے اٹھی یا جس کو تحریکی شکل ہندوستان سے ملی اس کا فنی خاکہ صرف عرب ادباء نے ہی پیش کیا، رابطہ ادب اسلامی کی ذیلی شاخیں دنیا کے کئی ممالک میں قائم ہیں، لیکن عرب ممالک نیز ترکی وغیرہ کے اہل قلم نے نہ صرف اس فکر کو ادبی فنون وتخلیقات میں پیش کیا بلکہ اسلامی تنقید کے ذریعہ اس نظریہ کے خدوخال کو واضح کیا، برصغیر کی شاخوں میں نظریاتی بحثیں اور ذیلی مضامین، موضوعاتی مقالات اور سیمینار وغیرہ تو ہوئے لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ادب اسلامی کو بحیثیت فن خود ادب اسلامی سے وابستہ بہت سے افراد نہیں جانتے چہ جائیکہ اس کے خدوخال ادبی تخلیق کاروں پر واضح کیے جائے اور ان کو اس کی بنیادی ضرورت سے روشناس کرایا جاتا۔

حواشی:

۱۔ عربی میں عام طور پر اس اصطلاح کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے، جب کہ اردو میں عربی ادب سے واقف لوگ بھی یہی مطلب لیتے ہیں ورنہ عام طور پر اردو میں وہ

مفہوم ہوتا ہے جو اوپر ذکر ہوا جب کہ وہی مفہوم عربی ادب میں بہت سے لوگ لیتے ہیں، البتہ ادب عربی کی تاریخ لکھنے والوں میں ایسے قد آور نقاد و مورخین بھی ہیں جنھوں نے یہ اصطلاح اسی معنی میں استعمال کی ہے جس سے یہ اشارہ ہو کہ ''ادب اسلامی'' عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کے ادب کو کہا جاتا ہے۔ جس طرح ادوار کی تقسیم میں اس دور کو ''عہد اسلامی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس ضمن میں ڈاکٹر شوقی ضیف اور احمد حسن زیات کے علاوہ، ''الموجز فی الادب العربی'' کے مولفین کا نام لیا جاسکتا ہے۔ (ط)

۲۔ منہج الفن الاسلامی، ص ۶، طبع ۵، دار الشروق ۱۹۸۱ء۔

۳۔ ماھیۃ الادب الاسلامی، ص ۴۰، مجلۃ الفیصل ۱۴۰۳ھ، عدد ۷۸۔

۴۔ نحو مذھب اسلامی فی الأدب والنقد، ص ۹۲، طبع ۱۔

۵۔ الملک: ۵۔

۶۔ آل عمران: ۱۹۰۔

۷۔ الجاثیۃ: ۱۳۔

۸۔ البقرہ: ۳۰۔

۹۔ الاسراء: ۷۰۔

۱۰۔ التغابن: ۳۔

۱۱۔ الملک: ۲۳۔

۱۲۔ القصص ۷۷۔ اور تفصیل ملاحظہ کریں۔ منہج الفن الاسلامی، محمد قطب ص ۳۱-۳۷۔ نحو مذھب اسلامی۔ پر عبدالرحمن رافت باشاص ۱۱۰-۱۱۲۔

۱۳۔ الملک: ۲۔

۱۴۔ الذاریات ۵۶۔

۱۵۔ مومنون ۱۱۵۔

۱۶۔ القیامۃ:۳۶۔

۱۷۔ فی التاریخ فکرۃ ومنہاج، سید قطب۔ ص ۱۱۔ طبع ۵۔

۱۸۔ النقد الأدبی اصولہ ومناھجہ، ص ۹۹۔ طبع ۳۔

۱۹۔ الفتح الربانی لترتیب مسند الإمام احمد الشیبانی۔ ۲۷۵/۱۹۔

۲۰۔ صحیح الجامع الصغیر، ناصر الدین الالبانی۔ ۷۹/۳۔ طبع دوم

۲۱۔ دراسات فی نقد الأدب العربی۔ بدوی طبانہ۔ ص ۶۷-۷۲۔

۲۲۔ طبقات فحول الشعراء، محمد بن سلام الجمحی شرح محمود محمد شاکر ص ۵۲۔

۲۳۔ النقد الأدبی الحدیث، محمد غنیمی ہلال، ص ۲۷۷۔

۲۴۔ اخبار ابی تمام، ابوبکر الصولی ص ۱۷۲۔

۲۵۔ مصدر سابق۔ ص:۱۷۳۔

۲۶۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص۔ ۵۳-۵۶۔ ج ۲۳۹۵۔ تحقیق موفق مرعی دار السلام ریاض طبع اول ۲۰۱۰ء۔

۲۷۔ الأنعام:۱۶۳۔

۲۸۔ المومنون ۱۱۵۔

۲۹۔ الذاریت۔ ۵۶۔

۳۰۔ سورہ: ق:۱۸۔

۳۱۔ العمدۃ فی محاسن الشعر، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، ۲۸/۱۔ ط۲۔

۳۲۔ منہج الفن الاسلامی، محمد قطب۔ ص:۸۵۔

۳۳۔ الشمس ۱-۲

۳۴۔ الغاشیۃ: ۱۷-۲۰

۳۵۔ سورہ ق: ۶-۱۱۔

۳۶۔ ریاض الصالحین رص ۲۱۶ر تحقیق محمد ناصر الدین البانی۔

۳۷۔ الحلال والحرام فی الاسلام، یوسف القرضاوی رص ۳۰۶، ط ۸۔

۳۸۔ اس کتاب کے مؤلف احمد الجدع اور حسنی جرار ہیں یہ چھوٹے حجم کے ۹ر اجزاء پر مشتمل ہے، اس میں ۵۵ شعراء کا تذکرہ ہے اور کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

اس امر کی جانب اشارہ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ "دبیل مکتبۃ الادب الاسلامی، ۱ جلد، ڈاکٹر عبدالباسط بدر اور "معجم الأدباء الاسلاميين المعاصرين"، ۳ر اجزاء، احمد الجدع اور منهج القصص الاسلامي المعاصر یحی الحاج یحی وغیرہ کتابیں دیکھی جائیں، جس سے بیک وقت بے شمار شعراء، ادباء، محققین، ناقدین، ناول و ڈرامہ نگاران وغیرہ کے کام اور شخصیت سے واقفیت حاصل ہونے کے ساتھ ان کا نمونہ کلام بھی ملتا ہے۔

اس ضمن میں راقم السطور کی Ph.D کے مقالہ کا آخری ـــــــب الادب الاسلامی مع الفنون الحديثة بھی دیکھا جا سکتا ہے، اس میں جدید اصناف ادب سے متعلق مشہور مصنفین کی تخلیقات کا تجزیہ اور مختصراً ان کی شخصیات کی جھلک دکھائی گئی ہے، (یہ مقالہ شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے) ویسے ناول و ڈرامہ اور افسانہ کے میدان میں ڈاکٹر نجیب کیلانی، علی طنطاوی، عبدالحمید جودہ السحار، ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت باشا، علی احمد باکثیر، محمد الجذوب، محمود شیت خطاب اور ابراہیم عاصی وغیرہ کا نام بہت جلی ہے۔ (ط)

۳۹۔ یہ بات عربی ادب میں زیادہ قابل قبول ہے کیونکہ عربی ادب میں اسلامی ادباء و شعراء اور اہل فن نے واقعی ادب اسلامی کو ایک فنی مکتب فکر کی حیثیت سے نہ

صرف برتا ہی نہیں بلکہ عہد جدید میں ادب عربی کے مکتبات میں ادب اسلامی سے لبریز دواوین اور ناولوں وافسانوں سے زیادہ کوئی لٹریچر نہیں ہے، البتہ اہل اردو ابھی تک ادب اسلامی کو یا تو ایک ادبی رجحان کے طور پر قبول نہیں کرپائے یا پھرفنی طور پر اس اصطلاح سے واقف ہی نہیں، یہ بات الگ کہ ہمارے یہاں ایسا ادب موجود ہے جو اسلامی فکر کا نمائندہ ہے لیکن اس کے بارے میں وہی کہا جائے گا کہ یہ ان لوگوں کا نتیجہ فکر ہے جن کے سامنے اسلامی فکر کو ادبی رجحان بناکر پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی، یا یوں کہیئے کہ انھوں نے اسلامی ادب کو ادبی رجحان کی حیثیت سے نہیں دیکھا لیکن اپنے تمام تر تخلیقی عطیہ خداوندی کو خدمت اسلام کا وسیلہ سمجھا، ہم اس ضمن میں اقبال اور حالی وغیرہ کا نام پیش کرسکتے ہیں۔(ط)

۴۰۔ نحو مذھب اسلامی فی الادب والنقد/عبدالرحمٰن رافت باشا۔

☆ یہ بحث مزید دیکھی جاسکتی ہے ''اسلامیۃ الأدب وتاثیرھا فی الادب العربی الحدیث''، Ph.D کا مقالہ/ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی۔(مخطوطہ کتب خانہ شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

۴۱۔ ڈاکٹر مامون فریز جرار نے ''خطوات فی طریق الادب الاسلامی'' یعنی ''تحریک ادب اسلامی کی پیش رفت'' کے تحت جہاں ادب اسلامی کو فروغ دینے والے مصنفین اور کتب کا تذکرہ کیا ہے وہاں مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کا برائے نام بھی ذکر نہیں کیا، جب کہ عالمی پیمانے پر اس کو تحریکی شکل دینے کا سہرا مولانا کے ہی سر ہے، چنانچہ جس شدت کے ساتھ اس تحریک کے بعد ادباء وشعراء نے اس فکری زاویہ کو اپنی تخلیقات کا محور بنایا اس سے قبل ایسا نہیں تھا۔ یہ الگ بات کہ مولانا اس اصطلاح کو استعمال کرنے والے پہلے شخص نہ ہوں لیکن اس اصطلاح کو ایک مکتب فکر اور ایک تحریک کی شکل دینے کا کارنامہ انھوں نے ہی انجام دیا۔(ط)

فصل دوم:

معاصر عربی افسانوی ادب

عہد جدید میں ناول وافسانہ، ڈرامہ اور مختصر کہانیاں:

عرب نقاد کے یہاں یہ بات موضوع بحث رہی ہے کہ فن قصہ (۱) عربی میں دخیل ہے یا ماضی میں اس کی کوئی شکل موجود تھی، تمام آراء کا مطالعہ کرنے کے بعد خلاصۂ کلام کے طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قصہ ایک انسانی فنکاری ہے، اس کا وجود بھی انسانی وجود کے ساتھ ہے، عرب جاہلی دور میں بھی اس سے واقف تھے، اور اپنے طریقہ کے مطابق انھوں نے اس کو برتا، جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس میں ''احسن القصص'' (بہترین قصے) وارد ہوئے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو گذشتہ قوموں کے قصے سنائے، اور پھر مسلمانوں میں باقاعدہ ''القصاص'' قصہ گو لوگ پائے گئے، عربی ادب کی تاریخ میں ایسے بہت سے قصے پائے جاتے ہیں جو سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل نقل ہوتے رہے۔ (۲)

نقاد کی آراء اس سلسلہ میں بھی مختلف ہیں کہ معاصر عربی افسانوی ادب پر اس فن کی قدیم میراث اثر انداز ہے یا نہیں، ایک طبقہ کا خیال ہے کہ موجودہ افسانوی ادب مغربی فن سے متاثر بلکہ اسی کا چربہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس فن کی رائج شکلیں مغربی ادب کا عطیہ ہیں، عرب نقاد اس اعتراف کے بعد کہ قصہ کسی نہ کسی شکل میں عربوں کے یہاں موجود تھا یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ چونکہ ہماری ادبی نثر میں یہ فن مسلم حیثیت نہیں رکھتا تھا اسی لیے ہمارے متقدمین نقاد ادب نے اس سلسلہ میں نہ کوئی رائے زنی کی اور نہ ہی اس کے اصول وجہات کی تعیین کی یہ الگ بات کہ کہیں کہیں

نثری فنون کے تذکرے میں کوئی بات مل جائے۔(۳)

دراصل عربی ادب میں فن قصہ کی ابتدا لبنان میں عیسائیوں کے ذریعہ مغربی ناولوں اور افسانوں کے ترجمے سے ہوئی۔ مصر اور امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے والے عیسائی اسکالرز نے اس فن کو عربی میں بھی منتقل کیا(۴) اور بہ طاہر ناولوں اور کہانیوں کے تراجم میں جو رجحان پایا گیا وہ یہی تھا کہ اس کے ذریعہ حدیث میں چاشنی پیدا کی جائے اور فطری خصلتوں کی وضاحت ہو، اسی لیے مترجمین نے ہلکے پھلکے قصوں کو ترجمے کے لیے منتخب کیا، جو نہ صرف مترجمین بلکہ قارئین کے یہاں بھی اپنی نیرنگیوں کے باعث ذہنی تسلی وسکون اور تفریح طبع کا ایک نیا ذریعہ قرار پائے۔

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں کچھ لبنانی مترجمین مصر منتقل ہوئے، جن سے بہت سے مصری اہل قلم بھی متاثر ہوئے، اور ان ہی کی طرح ترجمے کے اس دھارے میں شریک ہوگئے، پھر انھوں نے بعض مجلات (Magazines) کی اشاعت شروع کی، جن میں متعدد مغربی افسانوں (Short Stories) کا ترجمہ شائع کرنا شروع کیا، ان قصوں سے عربی ادب میں ایک نئے دور کا آغاز تو ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سے بے قیمت اور غیر مہذب کہانی اور افسانے بھی شائع ہوئے جنھوں نے مغربی تہذیب کے بہت سے برے اثرات اس معاشرے پر ڈالا جس سے نئی نسل کے عقل واخلاق پر برا اثر پڑا۔

وہ عوامل جنھوں نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں افسانوی ادب کی تخلیق کو فروغ دیا، اور عرب ادباء نے آگے بڑھ کر اس فن کی خوب آبیاری کی، ان میں دو چیزیں بنیادی طور پر بہت اہم ہیں۔

۱۔ اس فن میں مغرب کی تقلید کا رجحان جس نے عقلوں کو مسخر کیا اور سب کی

توجہات مبذول کیں۔

۲۔ مستشرقین کی اس رائے کی تردید کہ عربوں میں خیال آوری کی کمی نے ان کو اس میں طبع آزمائی سے روکا، (۵) عربوں کے متعلق ان کی یہ رائے تھی کہ عربی عقل لطیف خیالات سے عاری ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا کہ ابتدائی مراحل میں مکمل طور پر عربوں نے بالخصوص مصری ادباء نے نہ صرف یہ کہ ترجمہ پر انحصار کیا اور مغربی، ناولوں اور افسانوں کا ترجمہ کیا، جس سے نہ صرف یہ کہ مغربی تہذیب نے گہرے اثرات ڈالے بلکہ معاشرتی بگاڑ رونما ہوا، لیکن اس کی تنقید کی گئی اور مصطفیٰ صادق الرافعی وعقاد وغیرہ نے اس افسانوی ادب پر سخت مواخذہ کیا، جو صرف لہو ولعب کے لیے وجود میں آرہا تھا، محمد حسین ھیکل کے ناول ''مصری فلاح'' کے منظر عام پر آنے کے بعد یہ رائے اور زور پکڑ گئی کہ زندگی کی مختلف تصاویر کو ناولوں اور افسانوں میں پیش کیا جائے، اور پھر لوگوں نے اس سے بھی آگے سوچنا شروع کیا کہ ایسا کیوں نہیں ممکن کہ مغربی ناول نگاری کا دامن چھوڑ کر عربی افسانوی ادب کی تخلیق کو مستقل ایک فن کی حیثیت سے برتا جائے، جس کی اپنی تصویر، اپنا ھدف اور اپنا مستقبل اور اپنی پہچان ہو۔

عربی افسانوی ادب پر مختلف مغربی ادبی رجحانات کے اثرات

متعدد نقاد کا خیال ہے کہ عہد جدید میں عربی افسانوی ادب جن فنی شکلوں اور جن اقسام سے متعارف ہوا، ان پر بڑی حد تک مغربی منتہائے فکر کی چھاپ ہے۔ (۶)

اس میں کوئی شبہ بھی نہیں یہ رائے اپنی جگہ پر صحیح ہے، مغرب کے اثر سے آزاد ہونے کے بعد بھی اس فن میں عرب ادباء مغربی ادبی مکاتب فکر سے آزاد نہ ہوسکے، چنانچہ جبران خلیل جبران اور منفلوطی نے اپنی تخلیقات میں رومانی ادب

(Romanticism) کی نمائندگی کی، جب کہ رومانی نظریہ کی تاثیر تو طہٰ حسین کی "الایام"، توفیق الحکیم کی "عصفور من الشرق" اور عباس محمود العقاد کی "سارہ" جیسی خودنوشتوں میں بھی نظر آتی ہے۔(۷)

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں خاص طور پر رومانی نظریہ کی مختلف جہتیں عربی افسانوی ادب میں ظاہر ہوئیں۔

رومانی نظریہ کی سماجی جہت:

متعدد ناولوں میں اس جہت کو اس طور پر اجاگر کیا گیا کہ بہت سے سماجی مسائل پر قصوں کے توسط سے گفتگو کی گئی، عورت کی تعلیم کا مسئلہ اور مغربی تہذیب کے موقف کو بہت شدومد کے ساتھ اٹھایا گیا، سب سے زیادہ جن لوگوں کے ناولوں میں اس رجحان کی نمائندگی ہوئی ان میں محمود تیمور، محمد عبدالحلیم عبداللہ اور صلاح ذهنی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

رومانی نظریہ کی تاریخی جہت:

سب سے پہلے یہ جہت جرجی زیدان کے تاریخی ناولوں میں ابھر کر سامنے آئی اور تاریخی ناول نگاری میں رومانیت کا امتزاج یا رومانی نظریہ کی نمائندگی نظر آئی، پھر اس کو آگے بڑھانے میں عبدالحمید جودہ سحار، علی الجارم، محمد فرید ابوحدید، ابراہیم المصری، نجیب محفوظ اور عادل کامل وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

رومانی نظریہ کی تحلیلی جہت:

اس جہت کو ابراہیم مصری، امینہ سعید، صالح جودت اور عباس خضر وغیرہ کی تخیلقات میں نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جس میں فرد کی زندگی کے مختلف ناحیوں اور اس کے افعال کے بواعث وعلل سے گفتگو ہوتی ہے، اور نفسیاتی امراض وغیرہ کو بھی موضوع بنایا جا سکتا ہے۔(۸)

عربی افسانوی ادب جہاں ایک طرف رومانی نظریہ سے متاثر تھا وہیں دوسری طرف حقیقت نگاری سے بھی وہ متاثر تھا، دوسری جنگ عظیم سے قبل جو لوگ واقعیت یعنی حقیقت نگاری سے متاثر تھے ان کو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے داعی تھے اور ان لوگوں پر انگریزی، فرانسیسی اور روسی افسانوی ادب کا بڑا اثر تھا، ان لوگوں میں احمد خیری سعید، محمود طاہر لاشین، محمود تیمور، حبیب زحلاوی، محمود عزمی، عیسیٰ اور شحاتہ عبید وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد حقیقت پسندوں نے حقیقت نگاری کی بعض دوسری جہتوں کو اپنی تخلیقات میں جگہ دی مثلاً مغربی حقیقت نگاری کے رجحان کی تقلید کی، جس میں انسان کو بدفال تصور کرتے ہوئے شروفساد اور خداع کا مصدر تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح فلسفیانہ حقیقت نگاری کا رجحان بھی بڑھا، لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک اور رجحان نے اپنی جگہ بنائی اور اس نے عربی افسانوی ادب پر اپنی گہری چھاپ بھی چھوڑی، اور وہ تھی شوشلزم کی حقیقت نگاری، چنانچہ متعدد نقادوں نے نہ صرف اس کی دعوت دی بلکہ اس کے لیے خوش خبریاں بھی سنائیں اور ناول نگاروں نے اس کو اپنی تخلیقات کا حصہ بھی بنایا، محمد مفید الشوباشی، محمود امین العالم، عبد العظیم انیس، عبد الرحمن الشرقاوی، عبد الرحمن الخمیسی، محمود السعدنی، نعمان عاشور، یوسف ادریس اور نجیب محفوظ وغیرہ اسی کے داعیوں میں تھے۔

اسی کے ساتھ ساتھ رمزی ادب سے متاثر بعض تخلیقات بھی وجود میں آئیں نجیب محفوظ اور یوسف ادریس کے علاوہ بعض دیگر لوگوں کے ناول وغیرہ میں یہ رجحان ملتا ہے۔(۹)

اس کے علاوہ اور بھی دیگر ادبی رجحانات وفکری جہات کی نمائندگی کی گئی،

اور یہ فن مختلف تجربات سے گذرتا ہوا اپنے عروج کو پہنچ گیا حتی کہ بہت سے اصحاب فکر ایسے متمیز ادب کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو گئے جس کی بنیاد اپنی وراثت، اپنے ادب اور اپنی فکر پر ہو اور جس کی نسبت اپنے معاشرے کی روح کی طرف ہو۔ (۱۰)

یہی سوال اسلامی ادباء کے سامنے آ کھڑا ہوا، کیونکہ انھوں نے مغربی ادبی رجحانات کا اسلامی نقطۂ نظر سے تنقیدی مطالعہ کیا تو ان کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ مغربی مکاتب فکر صرف ادب کی فنی شکلوں کے نمائندہ نہیں بلکہ ان میں وہ فلسفے بھی ہیں جو انسان اور موجودات کے تئیں اپنے خاص نظریات رکھتے ہیں، چنانچہ انھوں نے ''ادب اسلامی'' کے رجحان کا خاکہ تیار کرنا شروع کیا جس کی نمائندگی نہ صرف ''افسانوی ادب'' کی تخلیق میں کی جائے بلکہ تمام اصناف ادب میں اس کو پیش کیا جائے۔

اسلامی ادباء اور افسانوی ادب:

گذشتہ صفحات میں افسانوی ادب کے سلسلہ میں ہم نے مختلف ادباء کی آراء ملاحظہ کیں۔ یہاں ہم مختلف اسلامی مفکرین کی آراء سے بحث کریں گے اگر چہ ان کا بلاواسطہ نقد و ادب سے تعلق نہ ہو، لیکن اس فنی شکل کے سلسلہ میں کوئی موقف اختیار کرنے میں ان کی آراء بہر حال معاون ثابت ہوں گی، کیونکہ بعض تو اس فن کو اس کے واقعات و پلاٹ و اشخاص پر مبنی ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، اور بعض پہلے دلوں میں اس کی اثر پذیری پر نظر ڈالتے ہیں پھر اس پر کوئی حکم اور کوئی رائے ظاہر کرتے ہیں۔

چنانچہ اسی طرح کی ایک رائے امام ابو حامد الغزالی کی ہے، وہ حق کی ترغیب دینے اور ہدایت کی دعوت کے لیے فن قصہ کے استعمال کے بارے میں کہتے ہیں۔

''لوگوں میں بعض لوگ طاعات کی رغبت دلانے والے واقعات کو وضع کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ اس میں حق کی دعوت ہے، لیکن

یہ شیطان کا ایک وسوسہ ہے، سچ جھوٹ سے بالکل الگ ہے، اللہ اور اس کے رسول نے جن قصوں کو بیان کیا وہ سب اختراع ووضع سے بالکل بے نیاز ہیں باجودکہ وہ سب وعظ ونصیحت کے لئے ہیں، اور پھر یہ کیسے ممکن ہے جب کہ تجع میں تکلف کو ناپسند کیا گیا ہے اور اس کو تصنع میں شمار کیا گیا ہے“(۱۱)

امام غزالی نے جو بات کہی حریری کو بھی اس کا احساس رہا اور اپنے مقامات کے مقدمہ میں حریری نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا” کہیں ایسا نہ ہو کہ جو بکواس میں نے درج کی ہے اس میں خود ہی گرفتار ہو جاؤں اس شخص کی طرح جو خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے، مجھ پر واضح ہے کہ "بالأخسرين اعمالا ضل سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا" (سورہ کھف ۱۰۴) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، چنانچہ ممکن ہے کہ کوئی ذھین اپنی غباوت کا ثبوت دے اور کوئی جاہل مجھ پر اعتراض کرے اور میرا کوئی بھی خواہ دفاع کرے، لیکن عقل کی معاونت سے پرکھنے اور نقد کرنے والا اور معاملات کی تہہ میں جانے والا ضرور تایید کرے گا، بلکہ ان مقامات کو مفید ادب میں شمار کرے گا، اور جس طرح جانوروں کی زبان سے جاری حکایات کو نفع بخش سمجھا گیا، انھیں بھی مفید گردانا جائے گا، ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی ان حکایات وروایات کو پڑھنے سے روکتا ہو، ورضیاعِ وقت کی بات کرتا ہو، کیونکہ بات اصل نیت کی ہے، لطیفہ و چٹکلہ اگر تعلیم وتہذیب کے فروغ اور دینی مقاصد کے حصول کے لئے ہے تو اس میں کیا حرج ہوگا۔“(۱۲)

حریری نے جو بات کہی دراصل اس سے امام غزالی کی رائے کی تردید ہوتی ہے، اسی لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہماری تاریخ میں خلفاء راشدین کے عہد سے (۱۳) جو قصے اور قصہ گو پائے گئے ان کی ظاہری حیثیت کی طرف اشارہ

کردیا جائے، علماء سلف میں فن قصہ کے سلسلہ میں مؤیدین و معارضین کا پایا جانا کوئی عجب نہیں، جولوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس حیثیت سے کہ وہ اس کو دین میں بدعت قرار دیتے ہیں، اور انھوں نے قصہ گوئی کو مساجد میں وعظ و تذکیہ سے مرتبط کردیا، چنانچہ بعض قصہ گو قصے وضع کرتے اور انھیں متعین انبیاء ورسل کی طرف منسوب کردیتے ہیں، اسی طرح فرشتوں وغیرہ کی طرف منسوب کرتے۔ (۱۴) البتہ جو اس فن کے مؤیدین ہیں وہ قصہ گو اور قصہ نویس کے لیے ایسی شرطیں متعین کرتے ہیں جس سے اس کا عمل صحیح بنیادوں پر قائم رہ سکے اور وہ قصے دلوں میں رقت پیدا کرنے کے ساتھ آخرت کی تذکیر کا سبب بن سکیں۔ (۱۵)

تاریخ میں قصہ کے متعلق جب اس طرح کی آراء ملتی ہیں تو ہمارے لیے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ افسانوی ادب کی تخلیق ان قصوں سے بالکل مختلف ہے، یہ دین میں بدعت نہیں قرار دی جاسکتی بلکہ ادبی اصناف کی ایک صنف ہے، فن شعر اگر شرعی اصولوں سے ٹکراتا ہو تو اسے مختلف اسالیب و تعبیرات اور خیالات سے آراستگی کے بعد بھی قبولیت حاصل ہے، اسی لئے افسانوی ادب کے ساتھ بھی یہی رویہ ہونا چاہئے۔

معاصرین اسلامی مفکرین میں کچھ لوگ ہمیں ابو حامد غزالی کی رائے سے متفق نظر آتے ہیں اور کچھ لوگ حریری کا موقف اختیار کرتے ہیں، لیکن وہ رائے جس میں ناول وافسانہ اور ڈرامہ و کہانی اور ان کی ظاہری حیثیت میں تطبیق نظر آتی ہے۔ یہ ہے کہ ''اگر آپ معاشرتی، سماجی، اور تاریخی ناولوں اور افسانوں پر نظر ڈالیں، جس کا پلاٹ ادباء اپنے خیالات کی اختراع سے تیار کرتے ہیں اور ہزاروں صفحات سیاہ کرتے ہیں ان کی کثرت تعداد شمار سے باہر ہے، لیکن ان کی غرض صرف درحقیقت عام لوگوں کی ذہنی تسکین کا سامان فراہم کرنا اور کچھ افکار و مبادیات کی خدمت کرنا

ہے، پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ تصنیف وتالیف کی دنیا میں ایسے بامقصد ناولوں اور افسانوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے"(۱۶)

اگر یہ بات کہی جائے کہ ایک زمانہ تک ادب عربی فن قصہ یعنی ناول وکہانی اور افسانوں سے خالی کیوں رہا، جیسے کہ بعض لوگ اسی کو دلیل بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فن توجہ نہ دینے اور اپنانے کا مستحق نہیں ہے، یہ بات اس لیے صحیح نہیں ہے کہ افسانوی ادب عربی ادب میں دخیل شمار کیا جاتا ہے، اور جب یہ فن دیگر زبانوں سے آیا ہے تو پھر اس پر حکم بھی مختلف ذوق اور اختلاف رجحانات کی بناء پر لگایا جاتا ہے، ہر دخیل میں شک نہیں کیا جا سکتا، اور ادب عربی کے ایک مدت تک ناول وکہانی اور افسانوں سے خالی ہونے پر نقص کا حکم بھی نہیں لگایا جا سکتا۔(۱۷)

اگر چہ امام غزالی نے اس فن کے متعلق اپنی رائے ظاہر کردی اور اس کی قدر و قیمت میں شک ظاہر کیا لیکن ظاہر ہے کہ انھوں نے مخالف رائے کے لیے دروازہ نہیں بند کیا، اس لیے کہ جو روشن و مفید پہلو ان پر نہ کھل سکے دوسروں پر ان کا واہونا محال تو نہیں، اس لیے کہ طبیعتوں اور اذواق میں تنوع وتفاوت بہر حال پایا جانا بہر حال مسلم ہے۔

دینی بنیادوں کے سبب افسانوی ادب کی تخلیق سے تعرض کرنے والوں میں انور الجندی بھی ہیں، ان کی رائے کی بنیاد جدید افسانوی ادب کی تاریخ پر ہے، اور ظاہر ہے کہ جدید افسانوی ادب کی تاریخ مغربی افکار اور طریقہ عادات پر مبنی ہے، جہاں ازدواجی زندگی اور خاندانی مسائل کو ان ہی کے طریقے پر حل کیا جاتا ہے، اور بہت سے ناول نگاروں نے انتہائی عریاں مغربی ناولوں کے ترجمہ سے اپنا مواد لیا، جن کی عام طور پر بنیاد شہوانیت پر ہوتی ہے، مرد وعورت کے اختلاط کو محبت کے روابط کا نام دے کر شہوانی جذبات کو برانگیختہ کیا جاتا ہے، اسی طرح ان قصوں کی بنیاد ازدواجی رشتہ میں خیانت پر بھی ہوتی

ہے، اور بھی اسی طرح کے عنصر کو بنیاد بنا کر وہ اختلاط مرد وزن کا آوازہ بلند کرتے ہیں اور اس سے ناول نگاروں کو موضوعات فراہم ہوتے ہیں، (۱۸)

یہ بات ظاہر ہے کہ مغربی نقاد نے ناول کا جو منہج مقرر کیا وہ ادب عربی میں دخیل ہے، لیکن عربوں کے مزاج و تشخص اور مسلمانوں کی عادات وطبیعت نیز اسلامی اقدار سے بالکل مختلف ہے، اور پھر عرب اپنے مافی الضمیر کو دوسرے طریقوں سے بھی ادا کر دیتے ہیں، اس کے لیے افسانوی ادب اور ناول کے اسلوب کی ضرورت نہیں، (۱۹) اس میں کوئی شک نہیں کہ انور جندی کی یہ رائے غلو پر مبنی ہے، انھوں نے بعض ناولوں کی بنا پر اس فن کو ہی مسترد کر دیا ہے، جب کہ صحیح بات یہ تھی کہ پائے جانے ادب میں افسانوی والے منفی پہلوؤں پر وہ نقد کرتے نہ کہ اس پورے فن پر، بہر کیف جس طرح معارضین نے اس فن پر مختلف بنیادوں پر تعارض کیا ہے اور اس فن کی ہی مخالفت کی ہے، اسی طرح متعدد اسلامی مفکرین نے اس کو دوسری نظر سے دیکھا ہے، اور شاید یہ اس لیے کہ قصہ کا فن ہمیشہ سے اصحاب پیغام و دعوت اور قائدین و داعیوں کے لیے لوگوں تک پہنچنے اور ان کی عقلوں میں اترنے اور دلوں کو فتح کرنے کا ذریعہ رہا ہے، تا کہ اس ذریعہ کے استعمال سے وہ اپنی آراء اور اپنے اعمال وعقائد دوان میں منتقل کر سکیں، اور ہمارا دور شاید اس لحاظ سے اس کا سب سے بڑا شاہد ہے کہ افسانوی ادب کا انسانی زندگی پر کس قدر تسلط ہے، اور زندگی کو بدلنے نیز سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی تبدیلیاں لانے میں اس فن نے کتنا مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ (۲۰)

افسانوی ادب اسالیب واقسام کے اختلاف کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں انسان کے ساتھ موجود رہا ہے اور اس کے آلام ومصائب اور خوشگوار حالات اور امیدوں کی ترجمانی کرتا رہا ہے، زندگی کے بارے میں اس کے نظریہ اور فلسفۂ حیات

کو بیان کرتا رہا ہے، اس فن میں انسانی تجربات کو پیش کرنے کے لیے بڑی وسعت ہے، چنانچہ ناول نگار جن حالات سے دوچار ہوتا ہے انھیں صدق احساس کے ساتھ فن سے آراستہ کر کے اور زندگی سے بھرپور بنا کر پیش کرتا ہے۔(۲۱)

استاد محمد قطب دلوں میں اس فن کی ساحرانہ تاثیر کے قائل ہیں اور انھوں نے اس کی سحر انگیزی کے اسباب کا پتہ لگانے کی کوشش کرنے کے بعد کہا ''کہ اس کی ساحرانہ تاثیر کا جو بھی سبب ہو لیکن اس فن کی یہ سحر انگیزی انسان ہی کی طرح قدیم ہے اور جب تک زمین فنا نہیں ہوتی اس کی یہ تاثیر انسانی زندگی کے ساتھ باقی رہے گی، اس لیے اسلام اس فن کی فطری تاثیر کا ادراک کرتے ہوئے اس کو تربیت واصلاح کا ایک وسیلہ سمجھتے ہوئے استعمال کرتا ہے''(۲۲)

ڈاکٹر محمد صباغ افسانوی ادب کو دلوں میں تاثیر کے اعتبار سے ایک طاقتور اسلحہ شمار کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں ''اگر داعی دین اخلاق اور مخلوق کی مصلحت کے پیش نظر اس ممتاز و مؤثر وسیلہ کو دائرۂ اسلام میں لاکر استعمال کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو یہ افسانوی ادب بہت محمود و پاکیزہ ہوگا، آج ہم کو بامقصد ایسے افسانوی ادب کی بہت سخت ضرورت ہے جو متعارف فنی لبادہ میں ہو''(۲۳)

شیخ بہی الخولی بھی اس کی قدر و قیمت کے قائل ہیں اور اس کو دعوت کے طاقتور وسائل میں شمار کرنے کے ساتھ اس کے استعمال پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں، ''آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم اللہ کی طرف بلاتا ہے اور دعوتی تعلیمات کے لئے وہ قصوں کو استعمال کرتا ہے، اور آپ نے دیکھا رسول اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوت کی تعلیمات اور رسالت کے پیغام کو عام کرنے کے لیے اس اسلوب کو استعمال کرتے ہیں، اور آپ سلف صالحین کو دیکھتے ہیں کہ وہ مذہبی تعلیمات کو قصوں کے اسلوب میں پیش کرنے

کا منہج اختیار کرتے ہیں تو آپ پر بھی یہ واجب ہے، آپ اس کو استعمال کریں" (۲۴)

ہم ان آراء کو درج کرنے کا سلسلہ قافلہ ادب اسلامی کے ایک سالار ڈاکٹر عبد الرحمن رافت باشا مرحوم کی رائے پر تمام کرتے ہیں، جنھوں نے اس دور میں ہمارے جدید ادب میں اسلامی افسانوی ادب کی ضرورت پر حاقتور تنبیہ کی ہے، اور اس جانب توجہ مبذول کرائی کہ مسلمان داعیوں کے پاس جدید ادبی فنون نہیں ہیں، بالخصوص افسانوی ادب ان کے پاس موجود نہیں، وہ اس راز کو سمجھے ہی نہیں کہ اپنے عقائد کو موثر ادبی متن کے ذریعہ لوگوں تک بآسانی پہنچا سکتے ہیں، بلکہ معاملہ تو یہ ہے کہ داعیوں کا اس صنف ادب اور اس کے تخلیق کاروں کے متعلق گمان بھی اچھا نہیں ہے، اور یہ اس لیے کہ انھوں نے اس میں فجور وفساد اور آزادی دیکھ کر اس سے دوری اور لاتعلق ہونے میں ہی نجات سمجھی، (۲۵) انھوں نے افسانوی ادب کی ضرورت اور اس کی تخلیق واستعمال پر قصص قرآن وقصص نبوی سے پرزور استدلال کرتے ہوئے توجہ دلانے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسلامی افسانوی ادب کے خدوخال بھی واضح کیا اور اس کے اہداف ووظائف بھی بیان کیا ہے۔ (۲۶)

جب افسانوی ادب ہمارے دور میں رائج وعام ادبی فنون میں سب سے زیادہ مقبول ہے اور سب سے زیادہ موثر شمار کیا جاتا ہے، تو ضروری ہے کہ اسلامی ادب کے خط وخال واضح ہوں، جبکہ یہ "فن قصہ" قرآن کریم اور حدیث شریف نیز ہر دور سے ہوتے ہوئے ہمارے دور تک پہنچا ہے، اسی لیے اس کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآن وحدیث میں وارد قصوں کی خصوصیات کا مطالعہ کیا جائے اور ان سے حاصل شدہ خصائص ومقاصد اور شرطوں سے معاصر اسلامی افسانوی ادب کا خاکہ تیار کیا جائے۔

حواشی:

۱۔ عربی میں جب لفظ ''قصہ'' استعمال ہوتا ہے تو وہ اس کی ذیلی شکلوں کا احاطہ کرتا ہے، پھر اس کو فنی طور پر تقسیم کیا جاتا ہے تو ناول کے لیے روایۃ افسانہ کے لئے قصۃ قصیرۃ اور مختصر کہانی کے لیے اقصوصۃ اور ڈرامہ کے لئے مسرح کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اردو میں ہم کو ایسا کوئی لفظ نہیں ملتا جو ان تمام اصناف فن کا احاطہ کرتا ہو اگرچہ اردو میں یہ اصناف میری رائے میں عہد جدید کی تقسیم کے دین ہیں، ورنہ قصہ گوئی اور داستان گوئی عربی کی طرح اردو کی بھی ابتدائی شکل تھی، اردو میں ان اصناف کا احاطہ ''افسانوی ادب'' کی اصطلاح سے کرنا ممکن ہے، کیونکہ ادبی نثر کی تقسیم دو حصوں میں کی جاتی ہے، ''افسانوی ادب'' اور ''غیر افسانوی ادب'' دور جدید میں ان تمام اصناف کا احاطہ مروجہ اصطلاح ''فکشن'' کرتی ہے، جو خود اس پر واضح دلالت کرتی ہے کہ یہ فن اردو میں نہ صرف دخیل ہے بلکہ اسیر مغرب کا مکمل اثر ہے، پھر ہمارے لیے اسلامی فکشن کہنا اسلیے بھی مناسب نہیں کہ فکشن کی معنوی دلالت مکمل من گھڑت پر ہے، اور اسلامی نظریہ مکمل من گھڑت کے اختراع کی اجازت نہیں دیتا۔ (ط)

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیں في الرواية، عصر التجميع، فاروق خورشيد، القصة في العصر الجاهلي، علی عبدالحلیم محمود، فن القصة، احمد ابوسعد، الأدب الهادف، محمود تیمور، الأدب القصصي عند العرب، موسیٰ سلیمان۔

خلاصہ کے طور پر راقم کے مقالہ الرواية التعريبة الاسلامية ورائدها نجيب الكيلاني میں بھی یہ بحث آئی ہے جس کو راقم کی کتاب بحث من الادب الاسلامی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ (ط)

۳۔ الادب الهادف ،محمود تیمور۔ص ۸۵-۸۸، الادب المقارن ،محمد غنیمی هلال،ص ۲۲۶۔

۴۔ فی الادب الحدیث ،عمر الدسوقی ۲۶۱/۱۔القصة القصيرة في الادب العربي / الحديث ، محمد یوسف نجم۔

۵۔ فن القصص ،محمود تیمور۔ص ۷۹، خصائص الادب العربي، انور الجندي ، ص:۱۰۵۔

۶۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فجر القصة المصرية، یحیٰ حقی۔ص ۲۳۷-۲۳۸۔

۷۔ فی الرومانسیه و الواقعیه،سید حامد نساج،ص ۲۵۔

۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیں اتجاهات القصة القصيرة ، السعيد الورقي ، ص:۱۰۵، الرومانسية والواقعية ، سيد حامد نساج ۔ص ۱۵۱۔

۹۔ الرواية في الادب الفلسطيني ، احمد ابو مطر ۔ص ۲۹۵۔

۱۰۔ قضايا الفن القصصي ، يوسف نوفل ۔ص:٤۔منهج الفن الاسلامي ، محمد قطب ۔ص:۲۲٤

۱۱۔ احياء علوم الدين ۔ ابو حامدالغزالی ۵۹/۱۔

۱۲۔ شرح مقامات حريري ،التصحيح، عبد المنعم الخفاجي، ۲۳/۱-۲۶(یہاں جانوروں کی زبان سے حکایت سے مراد عربی ادب کی مشہور کتاب کلیلہ ودمنہ ہے)

۱۳۔ كتاب القصاص و المذكرين،ابن الجوزي ، تحقيق محمد الصباغ، ص: ۱۲۵، المكتب الاكادمی ۱۹۸۳۔

۱۴۔ مصدرالسابق۔ص:۲۹۵۔

۱۵۔ مصدرالسابق۔ص:۱۷۹-۱۸۱،اور۳۵۹۔

۱۶۔ دراسات فی الدعوة والدعاة، ص:۳۱۶-۳۱۷۔

۱۷۔ مصدرسابق۔ص:۳۱۷۔اور نظرات فی القرآن۔ص:۱۱۳-۱۱۴۔

۱۸۔ خصائص الادب العربی، انور الجندی۔ص ۳۱۶-۳۱۸۔

۱۹۔ مصدرسابق،ص:۳۲۰۔

۲۰۔ القصص القرآنی فی منطوقه ومفهومه، عبدالکریم الخطیب، ص:۷۔

۲۱۔ سیکو لوجیه القصة فی القرآن، التهامی نقره۔ص:۱۰۔

۲۲۔ منهج التربية الاسلاميه، ۱۹۳/۱۔

۲۳۔ مقدمہ کتاب "کتاب القصص و المذکرین، ابن الجوزی، محقق محمد الصباغ، ص:۵۰۔

۲۴۔ تذکرة الدعاة۔ص:۵۵-۵۶۔

۲۵۔ نحو مذهب اسلامی فی الادب والنقد، ڈاکٹر عبدالرحمن رافت باشا، ص:۱۸۱-۱۸۲۔

۲۶۔ مصدرسابق:ص:۱۸۳-۱۹۰۔

☆☆☆

فصل سوم

قصص قرآن

قرآن کریم سے بڑا معجزہ انسانی دنیا کے لیے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اس کی اثر انگیزی، ادبی معجز بیانی، فصاحت و بلاغت اور لفظی و معنوی اعجاز، اسلوب کی رعنائی و دلکشی، وسائل کلام کا بھرپور و بے مثال استعمال اس کو ایسا معجزہ بناتا ہے جو ہمیشہ نیا اور تر و تازہ رہے اور دنیا اس میں اپنی الجھنوں اور اپنے مسائل کا حل تلاش کرتی رہے اور اپنے کردار کو اس کے متعین کردہ معیار پر پرکھتی رہے۔

قصہ قرآن کریم کی واضح نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور تعبیر و تاثیر کے لئے قرآن نے جن وسائل کا استعمال کیا ہے ان میں سے ایک اہم وسیلہ ہے، سطور ذیل میں ہم قرآنی قصوں میں فن قصہ نگاری کے پہلوؤں کو اجاگر کریں گے، جس کے لیے ہم قرآنی قصوں کی قسمیں اسکے عناصر مثلاً قصوں کی مرکزی شخصیت، پلاٹ، مکالمہ، زمان و مکان، پھر ان قصوں کے موضوعات اور غایات و مقاصد کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے بعد ان کے خصائص پیش کریں گے، اور اس کے بعد قدرے تفصیل سے ان چیزوں کو بیان کریں گے جن سے فن قصہ نگاری میں اسلامی منہج کی بنیاد پڑتی ہے۔

قرآن کریم کتاب ہدایت اور نور مبین ہے، اگر کسی سیاسی شخص کو اس کی حکومت میں کوئی مشیر، اور کسی قاضی کے لیے دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے کوئی رہبر اور خرید و فروخت میں کسی تاجر کے لیے کوئی راہ دکھانے والا ہوتا ہے، تو کیا یہ ضروری نہیں کہ مسلمان قصہ و ناول نگاروں کے لیے ہدایت کار اور نمونہ ہو، جس

کے قصوں سے وہ فنی نکات اخذ کرے اور توجیہات و موضوعات تلاش کرے، جس سے کہ اس کے سامنے وسعت آفاق ہو جائے اور اس کا قصہ و ناول اس حق کا ایک اقتباس بن جائے جسے لیکر قرآن کریم نازل ہوا ہے۔

قصص قرآنی کا مفہوم:

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں قصوں کے مفہوم کو واضح کر دیا جائے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں، اس لیے کہ کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ ''قرآن کریم میں تو لفظ ''قصہ'' وارد ہی نہیں ہوا پھر آپ قرآنی قصے کہاں سے لے آئے، قرآن میں تو ''قــصــص'' کا لفظ وارد ہے۔ وہ بھی قاف پر زبر کے ساتھ اور پھر "أنبــاء" اور "نبــاء" کا لفظ آیا ہے وہ بھی علی سبیل المثال نہ کہ حصر کے ساتھ، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

١۔ إن هذا لهو القصص الحق (١)

٢۔ نحن نقص عليك أحسن القصص (٢)

٣۔ ذلك من أنباء الغيب نوحيه إليك (٣)

٤۔ كلا نقص عليك من أنباء الرسل فنثبت به فؤادك (٤)

٥۔ واتل عليهم نبأ ابني آدم بالحق (٥)

٦۔ نحن نقص عليك نبأهم بالحق (٦)

ان آیات کو پڑھنے کے بعد کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ کیسے جائز ہے کہ آپ قرآن کی طرف اس لفظ کو منسوب کریں جو قرآن میں موجود نہیں؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قصہ اور قصص دونوں کا مادہ ایک ہی یعنی ''قص'' ہے، اور ''قص'' کے مادہ سے مشتق ہونے والے بہت سے کلمات قرآن کریم

میں وارد ہوئے ہیں، ہمیں اس سلسلہ میں کوئی حرج نہیں لگتا ۔ قصص القرآن پر لفظ قصہ کا اطلاق کیا جائے اس لیے کہ دونوں لفظوں کی معنوی دلالت اس سلسلہ میں ہماری معدون ہے، اگر معاجم کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں بھی ہم کو وہی چیز ملتی ہے جو ہم نے اختیار کی لسان العرب میں ہے (القصص ۔ قصے، فعل القاص إذا قص القصص ،قصہ بیان کرنے والے کا وہ فعل جب کہ وہ قصہ بیان کرے ،) قصہ تو معروف ہے یعنی کلام کا ایک جملہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، نحن نقص علیك احسن القصص "یعنی ہم تمہارے لیے احسن انداز بیان میں بیان کرتے ہیں، قصہ خبر کو کہتے ہیں، یہی قصص کا مفہوم ہے، کہ قصص اس خبر کو کہتے ہیں جو بیان کی جائے یعنی القصص هو الخبر المقصوص، قصص فتحہ (زبر) کے ساتھ مصدر کی جگہ پر وضع کیا گیا ہے، اور یہی غالب ہوگیا، اور قصص قاف کے کسرہ (زیر) کے ساتھ قصہ کی جمع ہے یعنی جس کو لکھا جائے)(۷)

''صحاح'' میں ہے (القصة الأمر و الحدث، حکم و اقع، وقد اقتصصت الحديث، رويته على وجه) میں نے اس کے سامنے بیان کی، قص عليه الخبر قصصا ،اس نے خبر بیان کیا، اسمیں قصص ق کے فتحہ (زبر) کے ساتھ ہے، اور مصدر کی جگہ پر وضع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ یہی غالب ہوگیا، جب کہ قصص قاف کے کسرہ کے ساتھ جو کہ لکھا جائے ۔(۸)

''تاج العروس'' میں (قصہ ق کے کسرہ کے ساتھ الامر و الحدث و الخبر کے معنی میں ہے ق کے فتحہ کے ساتھ قصص کی طرح اور جو لکھا جائے اس کو قصص (عنب کے وزن پر) کہتے ہیں، قصص بیان کی گئی خبر کے معنی میں ہے، جو کہ مصدر کی جگہ پر وضع کیا گیا ہے، اور یہ بیان کے بھی معنی میں ہے(۹)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ قصہ قصص کے ہی معنی میں ہے، البتہ ان نصوص سے جو کچھ ہم سمجھ سکے وہ یہ کہ قصص اسے کہیں گے جو اکثر بیان کیا جائے اور قصہ جسے لکھا جائے۔

اس وضاحت کے بعد ہمارا یہ نظریہ ہے کہ قصہ اور قصص ایک ہی قبیل سے ہیں، جس کی تائید بعض تفاسیر میں وارد اقوال سے ہوتی ہے، علامہ زمخشری قصص کو اقتصاص کے معنی میں مصدر قرار دینے کے بعد کہتے ہیں کہ اسم مفعول کو مصدر کا نام دیا جاتا ہے، وہ اس آیت "نحن نقصص عليك أحسن القصص " کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ احسن القصص بمعنی احسن الاقتصاص ہے یعنی کہ اللہ تعالیٰ دلکش وانوکھے انداز میں بہترین قصے بیان کرتا ہے، پھر یہی بات متقدمین کی دیگر کتب تاریخ میں بیان کی گئی ہے لیکن قرآن میں جس طرح بیان کی گئی ہیں اس طرح کسی کتاب میں نظر نہیں آتی، اور اگر قصص کے معنی مقصوص لیے جائیں تو پھر اس آیت کا مطلب ہوگا "نحن نقص عليك أحسن مايُقص من الأحاديث" کہ جو چیزیں بیان کی جاتی ہیں ان میں ہم سب سے اچھا تمہارے لیے بیان کرتے ہیں، اور ان قصوں کی بہترین چیزیں ان میں پائی جانے والی عبرتیں، نکات، حکمتیں اور عجائبات ہیں جو ان کے علاوہ میں نہیں پائی جاتیں، یہ بات تو پورے طور پر ظاہر ہے کہ یہ قصے تمام قصوں میں سب سے بہتر ہیں۔ (۱۰)

"تلك من أنباء الغيب نوحيها إليك" یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ کی جانب وحی کرتے ہیں، اس آیت کی تفسیر میں زمخشری فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے قصہ نوح کی جانب، کہ یہ قصہ اخبار غیبیہ کا ایک جزء ہے جو آپ کی جانب وحی کیا جارہا ہے جو کہ آپ کے لیے اور آپ سے قبل آپ کی قوم کے لیے مجہول کے درجہ میں ہے"(۱۱) چنانچہ زمخشری نے لفظ قصہ کا اطلاق قصص قرآن اور انباء قرآن پر

کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔(۱۲)

قرآن کریم میں جو قصے وارد ہوئے وہ سب کے سب برحق ہیں ان کو نبأ یا اسماء سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ ان قصوں میں وارد شخصیت واحداث پر قطعی دلالت کریں اس طور پر کہ ان میں حقائق کے علاوہ کوئی خیال نہیں پایا جاتا، اور رغبت و تاثیر کے پیش نظر اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی لوگوں کی گڑھی ہوئی کسی بات کا سہارا لیا گیا ہے، نبأ اور اسماء سے ان قصص کو تعبیر کرنے کا یہی فائدہ ہے کہ یہ بات قطعی ہو جائے کہ یہ قصے مکمل و خالص حق ہیں، ایسا نہیں کہ قصے تو اصلی اور برحق ہوں لیکن اس میں ایسے خیالات کا اضافہ ہو جن کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کے بعد دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب قرآن میں وارد قصے حقیقی ہیں اور ان کی بنیاد تاریخی خبروں پر ہے تو پھر یہ جواز کیوں کر ممکن ہے کہ ہم ان پر لفظ ''قصہ'' کا اطلاق کریں یا پھر ہم ان کا فن قصہ نگاری کے پیش نظر فنی تجزیہ کریں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ''قرآن میں قصہ ایک مستقل فنی عمل نہیں، نہ اپنے موضوع کے اعتبار سے اور نہ واقعات کو پیش کرنے کی حیثیت سے، جیسا کہ فنی قصوں میں فنی اغراض کے پیش نظر یہی مطلوب ہوتا ہے، بلکہ قرآن کریم نے دینی اغراض کے پیش نظر جہاں بہت سے وسائل کا استعمال کیا ہے وہیں قصہ کو بھی بطور وسیلہ استعمال کیا ہے، قرآن کریم بنیادی طور پر دینی دعوت کو پیش کرنے والی کتاب ہے اور قصہ اس دعوت کے اثبات و ابلاغ کا ایک وسیلہ ہے۔''(۱۳) لہذا قصص قرآن میں موضوع اور طریقہ عرض اور واقعات کو پیش کرنے کا اسلوب سب اس دینی غرض کے تابع ہے جو کئی پہلو سے ظاہر ہے لیکن دینی اغراض کی بنیاد پر کھرا اترنے کے لیے اور اس کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ان کے پیش کرنے میں فنی

خصوصیات کا ظہور ہی نہ ہو۔

قصص قرآنی میں فنی مظاہر موجود ہیں البتہ دور جدید میں ادبی قصہ نگاری کے جو اصول و قواعد ہیں وہ اس معنیٰ میں ان پر پورے نہیں اترتے دور جدید میں ادبی قصہ نگاری اس ادبی تخلیق کا نام ہے جو قصہ نگار کے تخیل کا نتیجہ ہو، اس طور پر کہ واقعات کا ظہور قصہ کی مرکزی شخصیت سے ہو، خواہ فی الحقیقت اس شخصیت کا وجود ہو یا نہ ہو، اور خواہ وہ واقعات جو اس مرکزی شخصیت کے ذریعہ قصہ میں پیش کیے جارہے ہیں حقیقت واقعہ ہوں یا نہ ہوں، لیکن انھیں پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ قصہ میں منضبط انداز میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ ان واقعات کو پیش کرنے میں بسا اوقات تقدیم و تاخیر اور حذف و اضافہ کا عمل بھی وجود میں آتا ہے، اور بسا اوقات شخصیت کی تصویر کشی میں اس حد تک مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے کہ مانوس تاریخی شخصیت بھی خیالی قرار پاتی ہے۔ (۱۴)

قصص قرآنی کو دیکھتے ہوئے ان میں قصوں کا یہ تصور ہمیں نہیں ملتا، انسان کے لیے تو ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو کہ قاری کے دل میں اترنے اور مقصد کو اس کے ذہن نشین کرانے کے لیے اس کے جذبۂ شوق کو ہوا دے اور ذوق طلب کو بڑھاوا دے اور اس کے لیے وہ واقعات و شخصیات کو خیالی طور پر پیش کرنے کا سہارا لے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے یہ جائز نہیں بلکہ ذات باری کے سلسلہ میں یہ تصور بھی ناجائز ہے، چنانچہ مذکورہ بالا سطور میں جو آیت گذریں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قصص قرآنی خالص اور مکمل طور پر برحق ہیں۔

قرآنی قصوں میں اگر ہم اس اعتبار سے غور کریں کہ ہمیں فن قصہ نگاری میں ایک نئی راہ ملے، کیوں کہ یہ قصے صرف اور صرف حقیقت پر مبنی ہیں، خیالی باتوں سے ان میں اضافہ ہونے کا کوئی تصور نہیں تو یقیناً قصہ نگاری کے جدید مفہوم کے مقابلہ میں

ہمیں ایک نئی جہت ملے گی۔

سید قطب شہید کہتے ہیں ''مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ حتمی طور پر کلمہ ''فن'' کو باطل خیال، خلاف واقعہ چیزوں، غیر معقول اختراعات کی طرف کیوں موڑ دیا جاتا ہے یعنی ان ہی چیزوں کو فن کیوں سمجھا جاتا ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم حقائق واقعہ کو فنی قالب اور علمی اسلوب میں پیش کریں، کہ ان دونوں حالتوں میں اس کی بنیادی حقیقت یعنی صدق و واقعیت باقی رہے گی، لیکن اس کے برعکس ''فن'' صرف ان ہی چیزوں کو سمجھا جاتا ہے، کیا صرف اس لیے کہ ہومیروس نے اپنے ''ایلیاذہ'' اور ''اودیسہ'' کو انکل چیزوں اور خرافات سے مزین کیا ہے اور کیا اس لیے کہ اہل یورپ کے قصہ نگار افسانہ وناول کو حقائق پیش کرنے سے دور رکھتے ہیں تاکہ وہ عمدہ فنی قالب میں ہوں، بے شک یہ فن ہے لیکن مکمل فن نہیں، جب تک کہ حقیقت کو کامل فنی شکل میں نہ پیش کیا جائے، اور یہ ناممکن بھی نہیں بلکہ مشکل بھی نہیں بس ذرا ہم یہ سوچیں کہ کب تک ان عقلی خرافات میں رہیں گے اور کب تک مغربی نمونوں سے چھٹکارا نہیں پائیں گے اور کب تک ان موضوعی اصطلاحات پر تفصیلی نظر نہیں ڈالیں گے''(۱۵)

سید قطب کی اس وضاحت کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قصص قرآنی حقیقت کے عکاس اور واقعیت سے عبارت ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں فنی عناصر پائے جاتے ہیں جو ان کو ''تاریخی خبروں'' کی اصطلاح سے ممیز کرتے ہیں، یہ ''عناصر ان قصص کی قوت ادائیگی، حسن تنسیق اور اسلوب بیان سے خوب ظاہر ہیں''(۱۶)

البتہ قصص قرآنی کا مقصود کیا ہے اس کی تعیین بھی کر دینا مناسب ہے، کیا ہر نبی یا شخصیت یا قوم کے سلسلہ میں کوئی خبر قصہ کے مفہوم میں داخل ہے؟۔

بعض اہل علم قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں قوموں کے مواقف کے ذکر

یا ان کے انجام کے مختصر ترین تذکرے کو بھی قصہ میں شامل کرتے ہوئے ''قصہ قصیرہ'' (Short Story) سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن ہم ان کے اس موقف سے اختلاف کرتے ہیں ، چنانچہ سورہ فیل میں اصحاب فیل کے تذکرے کو قصہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟ اور اصحاب اخدود کے ذکر کو سورہ بروج میں قصہ کس طرح گردانا جا سکتا ہے، ؟ اور اسی طرح کا سوال ان اشارات کے سلسلہ میں بھی ہے جو مختلف سورتوں میں مثلاً ذاریات، قمر وغیرہ میں مختلف قوموں کی طرف یا ان کے تکذیب حق اور انجام سوء کی طرف کیے گئے ہیں۔(۱۷)

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے قصہ نگاری کے مختلف اسالیب کا جائزہ لیا جائے تا کہ قرآنی قصوں کے مفہوم تک رسائی ممکن ہو، چنانچہ ہم قرآن کریم میں مختلف مقامات پر دیکھتے ہیں کہ متعدد قصے وارد ہوئے ہیں اور ان میں فنی عناصر بھی موجود ہیں، ان کے تجزیہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ مندرجہ ذیل اسالیب کے ساتھ قرآن کریم میں وارد ہیں۔

۱۔ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ بعض قصے ایک مرتبہ وارد ہوئے ہیں لیکن ان میں تمام فنی عناصر شخصیت، پلاٹ، زمان ومکان اور مکالمہ پائے جاتے ہیں یہ الگ بات کہ کسی میں ان عناصر کا ظہور زیادہ ہے اور کسی میں کچھ کم، فنی عنصر کا پورا پورا حق ادا کرنے والا قصہ قرآن میں قصہ یوسف ہے (۱۸)، اس قبیل سے اور قصے مثلاً آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا قصہ (۱۹) اصحاب کہف کا قصہ (۲۰)، صاحب الجنتین کا قصہ (۲۱)، ذوالقرنین کا قصہ (۲۲)، طالوت کا قصہ (۲۳)، قارون کا قصہ (۲۴)، اصحاب القریہ (۲۵) اور اصحاب الجنۃ (۲۶) کے قصے ہیں۔

اس کے مقابلے بعض خبریں بھی ایک مرتبہ آئی ہیں مگر ان کو ہم قصہ نہیں شمار

کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ بہت مختصر اور فنی عناصر سے خالی ہیں، ان خبروں میں مشابہ خبر مر علی قریة وهی خاویة علی عروشها (۲۷) ہے، اور حضرت الیاس اور ان کی قوم کا تذکرہ ہے، (۲۸) سیل العرم کا ذکر ہے، (۲۹) اصحاب الفیل (۳۰) اور اصحاب الاخدود کا تذکرہ ہے (۳۱)۔

۲۔ قرآن کریم میں بعض قصے ایک سے زائد مرتبہ وارد ہوئے ہیں، چنانچہ ایک جگہ تو وہ طویل اور فنی قصہ کے عناصر کے ساتھ آئے ہیں، دوسری جگہ طوالت کم لیکن نئی کڑیاں اور نئی تفصیلیں ہیں، اور کسی جگہ بالکل مختصر لیکن کوئی نئی بات جو ما سبق میں اضافہ کرتی ہے، مذکورہ صورتوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہم ان متفرق شکلوں والے فنی قصہ کو دیکھنے کے لیے یکجا کریں تو ہمیں تکرار کے بجائے یہ نظر آئے گا کہ مختلف جگہوں پر ذکر یہ کڑیاں صورت قصہ کی تکمیل کا باعث ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں یہ تکرار قصہ میں کسی نئے پہلو کا اضافہ کرتا ہے یعنی تکرار تکمیل کا باعث ہوتا ہے، اس کے برعکس ہم بعض مقامات پر ان ہی قصوں کا اس قدر مختصر تذکرہ دیکھتے ہیں جو ان قصوں سے خبر بنا دیتا ہے، اس قبیل کے قصوں میں سے حضرت آدم کا قصہ ہے جو مفصل سورہ بقرہ (۳۲) اور سورہ اعراف (۳۳) میں آیا ہے اور بعض کڑیاں جو بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں حجر (۳۴) اسراء (۳۵) طہ (۳۶) ص (۳۷) میں بیان کی گئی ہیں، جب کہ اس کی جانب بعض اشارے سورہ آل عمران (۳۸) اور سورہ کہف (۳۹) میں بھی کیے گئے ہیں، اسی طرح قصہ نوح مفصل سورہ ہود (۴۰) اور سورہ نوح (۴۱) میں آیا ہے، جب کہ خبر کی شکل میں سورہ اعراف (۴۲) یونس (۴۳) انبیاء (۴۴) مومنون (۴۵) شعراء (۴۶) عنکبوت (۴۷) صافات (۴۸) قمر (۴۹) میں وارد ہوا ہے، اور سورۃ التحریم (۵۰) میں حضرت نوح کی اہلیہ کی خیانت کی جانب اشارہ ہے۔

حضرت ابراھیمؑ کا قصہ پورے قرآن میں کسی ایک جگہ پر تمام جہات کا احاطہ کرتے ہوئے وارد نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کی مختلف کڑیاں مختلف قسطوں میں بیان کی گئی ہیں جو ان کی زندگی کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالتی ہیں، چنانچہ اس قصہ کی پہلی قسط میں ہم دیکھتے ہیں کہ ابراھیم کی صورت میں ایک جوان اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع کرتا ہے اور قوم انکار کرتی ہے، ان کا یہ جدال اس پر ختم ہوتا ہے کہ قوم ان کو آگ میں ڈال دیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ انھیں نجات دیتا ہے، اس کڑی کو سورہ انبیاء (۵۱) میں بیان کیا ہے، پھر سورہ الصافات (۵۲) میں ان کے بیٹے اسمٰعیل کا قصہ ہے بغیر کسی تفصیل کے عنکبوت (۵۳) میں بھی ذکر ہے جب کہ ابراھیمؑ کا اپنے والد سے مکالمہ متعدد مقامات پر وارد ہے مثلاً سورۃ انعام (۵۴) شعراء (۵۵) مریم (۵۶) میں، بادشاہ کے ساتھ مکالمہ اور پھر مردوں کو زندہ کرنے کا مطالبہ وغیرہ سورہ بقرہ (۵۷) میں بیان کیا گیا ہے، قصہ لوط حضرت ابراھیم کے مہمانوں کے قصہ سے مربوط ہے جو کہ سورہ ھود (۵۸) اور ذاریات (۵۹) میں وارد ہے، پھر ابراھیم و اسمٰعیل کے قصہ کے بعض مناظر بالخصوص تعمیر کعبہ کا منظر سورہ بقرہ (۶۰) اور سورہ حج (۶۱) میں بیان کیا گیا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ سورہ ھود، حجر، انبیاء اور صافات میں جو کڑیاں آئی ہیں وہ فن قصہ نگاری کے بالکل قریب ہیں البتہ دیگر مقامات پر جو اجزاء بیان ہوئے ہیں وہ خبر کے مماثل ہیں، لیکن جب ہم ان تمام کڑیوں کو جوڑتے ہیں اور تمام مناظر کو یکجا کرتے ہیں تو یہی قصہ ابراھیم ہمیں بلند پایہ فنی نمونہ نظر آتا ہے۔

لوط علیہ السلام کا قصہ ابراھیمؑ کے قصہ سے منفصل بھی قرآن کریم (۶۲) میں بہت سے مقامات پر بطور خبر وارد ہوا ہے، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ قصہ لوط کی تفصیلات ہمیں کہیں بھی نہیں ملتی، جو کچھ قرآن نے ان کے متعلق بیان کیا وہ وصف ان کی قوم

کے عمل پر حضرت لوط کی نکیر اور اس پر ان کی قوم کے جمے رہنے کا اصرار اور اس پر نزول
عذاب سے ان کی ہلاکت ہوئی، اس سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی۔

قصہ نوح کے طرز پر قصہ ہود اور حضرت صالح و شعیب علیہم السلام کے قصے
بیان ہوئے ہیں، اور یہ طرز جس پر یہ قصے قرآن میں وارد ہیں یہ ہے کہ اپنی قوم کے
ساتھ نبی کے متعین مراحل حیات کو پیش کیا گیا ہے، اور وہ اس طور پر کہ ان نبیوں کی
بعثت پھر قوم کو دعوت، پھر ان کی تکذیب اور باطل پر جمے رہنے کے سبب نزول عذاب،
اس طرز پر مختلف جگہوں پر یہ قصے آئے ہیں۔

بعض وہ قصے جن کا قرآن میں بار بار تکرار ہے اور ان میں متعدد شخصیات
کا ذکر ہے جن کا ہم نام بھی رکھ سکتے ہیں، مثلاً آل عمران کا قصہ جس میں امراۃ عمران
کا تذکرہ ہے اور مریم و مسیح و زکریا و یحییٰ کا ذکر ہے، بلکہ ان تمام کا اجتماعی ذکر سورۃ آل
عمران (۶۳) میں ہے، جب کہ حضرت زکریا کا قصہ اور یحییٰ کی ولادت مریم اور مسیح کی
ولادت کا تذکرہ سورہ مریم (۶۴) میں ہے، حضرت مسیح کے قصے کے بعض اجزا سورہ
مائدہ میں بھی ہیں کہ حضرت مسیح اللہ کے سامنے اپنی رسالت کے بارے میں پوچھتے
ہیں اور بات طویل ہوتے ہوئے حواریوں تک ہی نہیں بلکہ آسمان سے ان کے خوان
نازل کرنے کے مطالبہ تک پہنچتی ہے، اس کے علاوہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر
عیسیٰ اور ان کی والدہ کا ذکر ملتا ہے لیکن وہ قصہ نہیں ہے۔ (۶۵)

قرآن کریم میں ہم حضرت داؤد کا کوئی قصہ مفصل نہیں پاتے سوائے اس
کے کہ وہ ٹکڑوں اور خبروں کی شکل میں وارد ہوا ہے اور متعدد بار ان کا اور ان کے بیٹے
سلیمان کا ذکر مجموعی طور پر کیا گیا ہے، قصہ طالوت میں ہم کو ان کا ذکر ملتا ہے، اسی
طرح بعض دوسری جگہوں پر ان کا ذکر ملتا ہے، البتہ ان کے بارے میں اس طرح کی

خبر جو اطمینان بخش اور تسلی کی باعث ہو وہ سلیمان و سبا کے قصہ میں سورہ نمل میں واقع (۶۶) ہے۔ قرآن کریم میں سب سے زیادہ مکرر جو قصہ وارد ہوا ہے وہ قصہ موسیٰ ہے، جبکہ متعدد مقامات پر اس سے حضرت ہارون کا قصہ بھی مربوط ہے، اور اسی قصہ کے سبب ہم بنی اسرائیل کے قصص سے واقف ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سورۂ قصص (۶۷)، سورہ طہٰ (۶۸)، سورہ شعراء (۶۹)، سورہ اعراف (۷۰) میں وارد ہوا ہے، جب کہ آپ کی زندگی کی بعض متعین کڑیاں جو کسی خاص موقف سے مرتبط ہیں دوسری سورتوں میں وارد ہیں مثلاً قصۂ بقر (۷۱) اور موسیٰ و عبد صالح کا قصہ (۷۲) اور آل فرعون کے مومن کا قصہ (۷۳) وغیرہ علاوہ ازایں قصہ موسیٰ کے بعض پہلو مختلف مقامات پر بیان کیے گئے ہیں جنھیں قصہ شمار نہیں کیا جا سکتا البتہ اصل قصہ کی جانب ان کو اشارہ کہہ جا سکتا ہے (۷۴) یہ اشارات بنی اسرائیل کے ساتھ قرآن کریم کے مجادلے یا پھر ان پر اللہ کے انعامات شمار کرانے کے طور پر وارد ہوئے ہیں۔ (۷۵)

متعدد جگہوں پر ہم ایسے بھی انبیاء کی خبریں دیکھتے ہیں جو تکرار کے ساتھ وارد ہوئی ہیں البتہ قصہ کی صورت میں کہیں بھی وارد نہیں بلکہ ایسی خبروں کی شکل میں جن کے ذریعہ ان کے بعض احوال کی جانب اشارہ کیا جا سکے، ان ہی انبیاء میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اگر قصۂ یوسف سے ہم علیحدہ کر دیں جس میں ان کا ذکر کیا گیا ہے تو دیکھتے ہیں کہ اور مختلف مواقع پر ذکر کیا گیا ہے لیکن وہاں کوئی تفصیل نہیں ہے، وہ ذکر اس طرح کا ہے کہ قصہ کے باب میں نہیں شامل کیا جا سکتا (۷۶)، اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ، ان کی بعثت پھر ان کا غصہ اور رحلت، پھر مچھلی کا ان کو نگلنا پھر ان کی نجات اور ان کے متعلق اس طرح کے تذکروں کو قصہ نہیں بلکہ مختصر خبر ہی کہہ سکتے ہیں۔ (۷۷)

اس طرح ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں کہ بعض مواقع پر متعدد انبیاء کا اجتماعی ذکر ہوتا ہے یا ہلاک ہونے والوں کی طرف اشارے ہوتے ہیں، اسے قصہ میں نہیں داخل کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ نتائج ہیں ان تفصیلی قصوں کے جن کو دیگر مقامات پر قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اس سے نہ صرف ترھیب مراد ہوتی ہے بلکہ لوگوں کی توجہ کفر وعصیان کے انجام کی طرف مبذول کرنا بھی مقصد ہوتا ہے۔ (۷۸)

قصص قرآنی کی قسمیں:

قصص قرآنی ہمیں مختلف انبیاء اوران کی قوموں کے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے مختلف بندوں کی حکایات سے واقف کراتے ہیں جن کو کہ اللہ تعالیٰ نے عبرت ومثل بنا دیا، ان بندوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔

قصص قرآن کی نوعیتوں کے متعلق محققین کی آراء مختلف ہیں، چنانچہ بعض اس کی دو قسمیں کرتے ہیں، ایک تو قصہ تاریخیہ یا بعض اسی کو قصہ تاریخیہ تمثیلیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جب کہ دوسری قسم تمثیلی ہے، تاریخی قصہ ان کے نزدیک وہ ہے جو ان وقائع واشخاص کو پیش کرتا ہے جن کا تاریخ میں وجود ہے، اور قصہ تاریخی تمثیلی وہ ہے کہ جو بالفعل واقع تو ہوا ہے لیکن اسے ایک مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

جبکہ قصہ تمثیلی وہ ہے جو انسان اور احداث کے نماذج کو پیش کرتا ہے، اگرچہ وہ بالفعل وقوع پذیر نہ ہوئے ہوں اور ان کا تاریخی وجود نہ ہو، لیکن وہ واقع ہونے والے احداث کی قوت وطاقت ہیں۔ (۷۹)

ایک اور محقق نے ایسی ہی تقسیم کی ہے اور اس نے تین قسمیں کی ہیں، ایک تو ''قصہ تاریخی واقعی'' جس میں اس کے مقامات، اشخاص وحوادث مقصود ہوتے ہیں، دوسری قسم حقیقی قصہ (القصۃ الواقعیۃ) کی ہے جو حالت بشریت کے نمونے پیش

کرتے ہیں، اس میں یہ برابر ہوتا ہے کہ حقیقی افراد پیش کیے جائیں یا کوئی نمائندہ شخصیت جو اس نمونے کو پیش کر رہی ہو، تیسری نوع اس قصہ کی ہے جو ''تمثیل'' کے لیے پیش کیا گیا ہو، اور فی الحقیقت وہ کوئی واقعہ نہ ہو البتہ یہ امکان ہو کہ وہ کسی بھی لمحہ وقوع پذیر ہو جائے اور کسی بھی عہد میں وہ واقعہ بن کر سامنے آ جائے۔ (۸۰)

اس بحث سے جو بات نکل کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ دونوں ہی محققین اقسام قصص کے سلسلہ میں متفق ہیں، چنانچہ پہلے نے جس کو تاریخی تمثیلی قصہ کہا ہے، دوسرے نے اسی کو القصة الواقعية (حقیقی قصہ) سے تعبیر کیا ہے،

ایک تیسرے محقق کی رائے کے مطابق قصص قرآنی کی چار قسمیں ہو جاتی ہیں، پہلی قسم تاریخی قصہ، دوسری تمثیلی قصہ، تیسری اساطیری قصہ، چوتھی القصة الخطيئة یا رمزی قصہ (۸۱)

اپنے نظریہ کے مطابق انھوں نے نیا طریقہ اختیار کیا ہے کیونکہ انھوں نے قرآنی قصوں کے سلسلہ میں جدید ادبی قصوں کے پیش نظر رائے قائم کی ہے جس میں کہ احداث قصہ نگار کے تخیل کے مطابق ذکر کیے جاتے ہیں، اور شخصیات میں اسی کا اختراع ہوتا ہے یعنی ان کی تکوین میں اس کی رائے ہوتی ہے، اور پھر جدید ادبی قصہ اپنی ترتیب کے لحاظ سے احداث کی تقدیم و تاخیر اور زیادتی و حذف میں۔ قصہ نگار کا مرہون منت ہے (۸۲)

عبدالکریم خطیب کہتے ہیں ''کہ ہماری نظر میں قرآن کریم نے جو بھی مثل پیش کی ہے، خواہ وہ مطلق ہو یا شخصیت و مکان کے ساتھ مقید ہو لیکن ہر حال میں وہ حقیقت سے عبارت ہوتی ہے، مفروضہ سے اس کا کوئی ناطہ نہیں ہوتا کہ واقع ہوئی یا ہوئی ہی نہیں، اس لیے کہ مفروضہ تذبذب، توہم اور تخیل کو جنم دیتا ہے کہ یہ واقع ہوگا

اور حقیقت بن سکے گا یا نہیں، اور اس طرح کا تذبذب مجموعی طور پر رہتا ہے جو ذات باری تعالیٰ کے بالکل منافی ہے، اسی بنیاد پر آپ دیکھتے کہ کلمہ "رجل" یا "رجلین" یا "قریہ" جہاں بھی قرآن میں مستعمل ہوا ہے وہ کسی نہ کسی خاص شخص پر دلالت کرتا ہے جس نے درحقیقت اس دنیا میں زندگی گذاری اور اپنے زمان ومکان کے اعتبار سے اس کا اپنا محدود کردار رہا ہے، اسی لیے بدون قید جہاں بھی ان الفاظ کا استعمال ہوا ہے ہمیں ان اشخاص اور بستیوں کی حقیقت پر ایمان رکھنا چاہیے کہ وہ حقیقت میں تھیں اور ان ہی کا وصف قرآن کریم نے بیان کیا ہے" (۸۳)

خود میری رائے میں بھی قرآن کریم میں وارد قصص تمثیلی، تاریخی اور قصص واقعیہ کی قبیل سے ہیں، وہ قصص انبیاء جن میں ان کے اسماء کا ذکر ہوا ہے، یا وہ قصے جو تمثیلی ہیں اس حیثیت سے یکساں ہیں کہ ان کا وجود فی الحقیقت تھا، یہی رائے قرآن کریم کی روح اور حق وصدق جس کے ساتھ اس کو نازل کیا گیا اس کے عین مطابق ہے، (۸۴) اور وبالحق انزلناه وبالحق نزل کا یہی مطلب بھی ہے، اور یہی رائے قصص قرآنی کے وصف الٰہی کا مصداق ہے جو اس آیت کریمہ میں ہے۔ ان هذا لهو القصص الحق (۸۵)

اللہ تعالیٰ نے خود بیان کیا کہ وہ گذشتہ قوموں کے واقعات بیان کرتا ہے جن کا وقوع بالفعل ہو چکا ہے "كذالك نقص عليك من أنباء ماقد سبق" (۸۶)

مختصر یہ کہ قصص قرآنی کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ تاریخی قصے: اس قسم میں وہ قصے آتے ہیں جو انبیاء یا ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے قصے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بیان کیا، قرآن کریم کے اسلوب قصہ کے ضمن میں ہم اس کے متعلق گفتگو کر چکے ہیں۔

۲۔تمثیلی قصے: اس میں وہ قصے ہیں جو مخاطب کی حالت کی مشابہت کے پیش نظر بطور تمثیل بیان کیے گئے ہیں، خواہ اس کے اشخاص کی تعیین نہ کی گئی ہو لیکن اس کے احداث وقوع پر دلالت کرتے ہیں، اس قبیل کے سب سے زیدہ نمایاں قصے سورہ کہف میں ''قصہ صاحب الجنتین'' اور سورۃ قلم میں قصہ اصحاب الجنۃ ہیں۔

۳۔غیبی قصے: اس قسم میں وہ قصے آتے ہیں جن کا پلاٹ غیب سے متعلق ہے، اس قسم سے متعلق سب سے نمایاں قصہ حضرت آدم کا ہے، اور سورۂ مائدہ کے آخر میں قصہ مسیح ہے۔

قصص قرآنی کے عناصر:

قصص قرآنی میں شخصیت:(کردار)

بنظر غائر اگر قصص قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں متعدد شخصیات نظر آتی ہیں بعض عالم غیب سے متعلق ہوتی ہے۔تو بعض کا تعلق عالم وجود سے ہوتا ہے، جب کہ اللہ تعالی کی ذات پورے طور پر اس حوار (مکالمہ) میں ظاہر ہوتی ہے جو بسا اوقات وہ اپنے بعض بندوں سے کرتا ہے، جیسے کہ قصہ آدم، ابراہیم وموسی میں نظر آتا ہے۔

اسی طرح عالم غیب کی شخصیات میں ملائکہ کا وجود ملتا ہے، جیسا کہ قصہ آدم میں اور مریم وزکریا کے بعض قصوں میں فرشتوں کی مشارکت صاف ظاہر ہوتی ہے، بسا اوقات ان کا جسم انسانی کی صورت میں آنا بھی معلوم ہے جیسا کہ ابراہیم کے مہمان بن کر آئے جب کہ ان فرشتوں کو قوم لوط پر عذاب کے لیے بھیجا گیا تھا، اور مریم کے قصے میں بھی جبرئیل کا انسانی صورت میں آنا ثابت ہے۔

عالم وجود کی شخصیات میں مومن وکافر بہت نمایاں ہیں، پھر مومن میں انبیاء و صالحین وغیرہ کا کردار ہے، جن میں عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی اور ان کو ان کی صفات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے نہ کہ ان کے ناموں سے، جیسے کہ وہ ایک نیک شخص جو موسی کو ملا

اور مدین میں شیخ کبیر، اور آل فرعون کے مومن، اسی طرح ان میں اجتماعی شخصیات بھی ہیں جیسے حواری، اصحاب کہف جب کہ خواتین کا تذکرہ اکثر مردوں کی طرف منسوب کر کے کیا گیا ہے جیسا کہ زوج آدم، امراۃ ابراھیم، امراۃ فرعون، ام موسیٰ، اختہ، زوجہ، امراۃ عمران وغیرہ۔

کفار کی شخصیات میں زعماء قوم کا تذکرہ ہے، اور پوری قوم کا تذکرہ ان کے ناموں کے ساتھ ہے اور ان کی نسبت ان کے نبیوں کی طرف کی گئی ہے، اور کافر خواتین کا تذکرہ بھی ان کے شوہروں کی طرف منسوب کر کے کیا گیا ہے یا پھر موصوف بنا کر ذکر کیا گیا ہے، جیسے ''نسوة فی المدینة''۔

الغرض قصص قرآنی میں شخصیات متنوع ہیں اور عالم غیب و عالم شہود دونوں سے ان کا تعلق ہے، بہت سے اسماء کو ظاہر کیا گیا ہے، اور بہت سے ناموں کو پردۂ خفاء میں رکھا گیا ہے، انبیاء کرام کے ناموں کا ذکر کفار کے ناموں سے زیادہ یوں کیا گیا ہے کہ اس مبارک جماعت کا اکرام کیا جائے، اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داری انھوں نے سنبھالی، تو اس کی بھی تکریم کو ظاہر کیا جائے، البتہ کفر کے جن ٹھیکیداروں کا تذکرہ خوب کیا گیا ہے اس سے ان کی تشہیر مقصود ہے کہ ان پر لعنت کی بھرمار ہو اور وہ برائی کا نمونہ بن جائیں اور برے انجام کے لیے عبرت ہو جائیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ شخصیات اور ان کے اسماء کا تذکرہ قصص قرآنی کا مقصود اصلی ہے ہی نہیں، اور بنیادی طور پر اس سے قصص میں کوئی اضافہ بھی نہیں ہوتا، اسی لیے قرآن کریم نے شخصیات کا تذکرہ اور ان کے اسماء کا ذکر وہیں پر کیا ہے جہاں اس سے عبرت میں اضافہ ہو یا جہاں بعض اقوام کا تذکرہ کیا ہے، جن پر عذاب نازل کیا گیا اس میں بھی یہ خاص امر ہے کہ یا عربوں سے ان کا عہد قریب رہا یا ان کے

کھنڈرات وجائے وقوع کی ان سے کچھ قربت رہی، یہ بات قطعی ہے کہ قصص قرآنی کی شخصیات کے تنوع میں ہر ایک کے ساتھ کوئی نہ کوئی انفرادی یا اجتماعی درس عبرت اور نمونہ ضرور متعلق ہے، مثلاً سیاسی میدان میں فرعون اس کا ظلم اور رعب ودبدبہ، اس کے بالمقابل عدل وانصاف اور صالحیت میں ذوالقرنین، پھر حکومت ونبوت کو ایک ساتھ برتنے کی مثال میں حضرت سلیمان کا ذکر، مفسد اور شرور فتن پر تعاون کرنے والے وزیر ہامان کا تذکرہ، امانت دار، دور اندیش وخیر خواہ وزیر کی مثال میں حضرت یوسف کا تذکرہ، اور اسی میں آزادی تصرف کی مثال کہ بادشاہ ووزیر کا مذہبی فرق آزادی تصرف کے لیے مانع نہ ہوا جب کہ طالوت کی شخصیت سے یہ واضح کیا گیا کہ بادشاہ میں مطلوب اہلیت کا ہونا ضروری ہے، ملکۂ سبا کا ذکر کرکے یہ سمجھایا گیا کہ حاکم وقت اہم مسائل میں رعایا سے کس طرح مشورہ کرے۔

مال کی فراوانی، بدعنوانی وبداعمالی کے لیے قارون کا ذکر اور پھر اصحاب الجنۃ اور صاحب الجنتین کا تذکرہ بھی اپنی جگہ نمونہ اور سامان عبرت، دعوتی میدان میں نوح کی صبر آزما محنت اور صابر شخصیت، ابراہیم کی حکیمانہ دعوت اور بصیرت افروز مکالمات وانداز تخاطب، قید خانے میں یوسف کا داعیانہ کردار ذکر کرکے یہ وضاحت کہ داعی کہیں بھی اپنے فرائض سے سبکدوش نہیں ہوتا، اجتماعی زندگی میں اختلاف حالات اور متنوع مسائل کی مثال کے لئے ایک مومن والد اور کافر بیٹے کی شکل میں حضرت نوح اور ان کے بیٹے، اسی طرح مومن بیٹے اور کافر باپ کی صورت میں حضرت ابراہیم اور ان کے باپ آزر کے یہاں ملتی ہے، مومن شوہر اور کافر عورت کی شکل میں لوط اور ان کی بیوی کا قصہ اسی قبیل سے ہے، جب کہ اس کے برعکس فرعون اور اس کی مومن خاتون کی مثال ہے، پھر بھائیوں کے آپسی اختلافات کا نمونہ یوسف کے بھائیوں میں

دیکھا جا سکتا ہے، اور یوسف کی شکل میں وہ نوجوان اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے جس کا مقابلہ کسی ایسی عورت سے ہو جو گناہ پر آمادہ ہو اور نوجوان اپنی آبرو بچا لائے، یعقوب کے صبر میں ایک بوڑھے باپ کے لیے آزمائشوں پر صبر کرنے کا نمونہ ہے، جب کہ ابراہیم و زکریا علیہما السلام کی بوڑھی بیویوں میں عطائے خداوندی کی امید کی مثال ہے، امراۃ عمران اور ان کی بیٹی مریم کی شخصیت میں، پاکبازی و عفت کا ذکر ہے، مہمان نوازی اور اکرام و تکریم کے لیے ابراہیم کا ذکر نمونہ پیش کرتا ہے۔

اجتماعی فساد کی مثال قوم لوط میں ملتی ہے جس نے فطرت سے انحراف کیا، اسی طرح انفرادی طور پر اجتماعی فساد کا ذریعہ بننے کی مثال عزیز مصر کے ذکر میں ملتی ہے جس نے جرم کے ثابت ہونے کے بعد بھی بیوی کو چھوڑ کر یوسف کو جیل بھیجا، شہوانی زندگی اور جذباتیت کی مثال خود عزیز مصر کی بیوی کے تذکرے میں ہے جس نے حصول شہوت کے لیے ہر راستہ ترغیب کا ہو یا ترہیب کا اختیار کرنے کی کوشش کی۔

قومی جہالت کے ساتھ ایسی زندگی گذارنے کی مثال ان لوگوں کے تذکرے میں ملتی ہے جن کو غلامانہ زندگی گذارنے پر مجبور کیا گیا تھا اور وہ مظلوم و مقہور ہو کر یاجوج و ماجوج کے ظلم سہہ کر زندگی بسر کر رہے تھے، اور بشری معیار زندگی کے سے بالکل نابلد تھے حتی کہ ان کے متعلق قرآن نے یہ تبصرہ کیا "لا یکادون یفقهون قولا"، بنی اسرائیل کی شکل میں ایسی قوم کی مثال ملتی ہے جو اپنی قیادت کی نافرمانی پر آمادہ اور ہدایت کے انکار پر مصر رہتی ہو، طویل مدت تک غلامی میں رہنے کے سبب غلامانہ ذہنیت سے نجات حاصل کرنا تقریباً اس کے بس سے باہر ہو چکا ہو۔

علم کو خیر ثابت کرنے اور خیر کے لیے استعمال کرنے والے علماء کی مثال کے لیے حضرت داؤد کی شخصیت دیکھی جا سکتی ہے جن کے پاس زرہ بنانے کا علم تھا، ور

لوہے کو استعمال کرنے کی صلاحیت تھی، اسی طرح حضرت سلیمانؑ کی شخصیت جن کے لیے اللہ تعالی نے سب کچھ مسخر کر دیا تھا، علم کو فساد کے لیے استعمال کرنے کا ذکر بھی قرآنی قصص میں سامری کے کردار کے ذریعہ واضح کر دیا گیا ہے۔

قرآن کریم کے قصوں میں کچھ شخصیات کا مرکزی کردار ادا کرنے کے اعتبار سے تذکرہ ہے، کچھ کا ثانوی درجہ میں تذکرہ اور کچھ ان سے متعلق شخصیات کا ذکر ہے، مثلاً مرکزی شخصیات جن پر پورا پلاٹ مبنی ہوتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ اس پلاٹ کو بننے میں یہ شخصیات مرکزی ہیں، ان میں آدم اور ابلیس، ابراہیم، نوح، ھود، صالحؑ، شعیب، سلیمان، ملکہ سبا، موسیٰ، فرعون، یوسف وغیرہ ہیں، اسی طرح جماعتی اعتبار سے مرکزی کردار نبھانے میں یوسف کے بھائیوں کا ذکر ہے اور بنی اسرائیل بھی اسی قبیل سے ہیں، جب کہ وزراء و رؤساء حکومت کا اکثر انبیاء کے قصص میں کردار ہے، اور اسی قسم کا کردار فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کا ہے۔

جن شخصیات کا کردار ثانوی ہے یعنی ان کا ذکر مکرر نہیں ہوتا اور کردار بھی محدود ہوتا ہے ان میں آدم کے قصہ میں فرشتوں کا، فرعون کی اہلیہ محترمہ، شیخ مدین اور ان کی دونوں صاحبزادیوں کا کردار ہے، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ایک نوجوان اور عبد صالح، اسی طرح حضرت ہارونؑ وغیرہ کا ذکر ہے۔

ان قصوں سے متعلق شخصیات جن کا بڑا مختصر سا تذکرہ ہے ان کا کچھ خاص کردار بھی نہیں ہے، بس یہ کہ وہ یا تو اصل قصہ کا خاکیہ ہیں یا اس ماحول کا جزء ہیں جس میں وہ واقعات رونما ہوئے، مثلاً مدین کے چرواہے، وہ کشتی والے جس پر ایک برگزیدہ بندے کے ساتھ موسیٰ سوار ہوئے اور اہل قریہ جن سے موسیٰ نے کھانا طلب کیا وغیرہ۔

یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ قصص قرآنی میں شخصیات کی عقلی، نفسیاتی اور

اخلاقی تصویرکشی کے ساتھ اکثر مواقع پر جسمانی اوصاف بھی بیان کیے گئے ہیں جب کہ احمد خلف اللہ کا خیال ہے کہ شاذ و نادر ہی شخصیات کے جسمانی اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ (۸۷) چنانچہ قصہ آدم میں اس مادہ کا تذکرہ ملتا ہے جس سے ان کو پیدا کیا گیا اور ساتھ ہی اس کا بھی ذکر ہے کہ ان کو وہ علم عطا کیا گیا جس سے وہ اہلیت حاصل ہوئی کہ فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا جائے، اس طرح ان کے ضعف ونسیان کو بھی ذکر کیا گیا۔ "ولقد عهدنا الى آدم من قبل فنسى ولم نجد له عزما (۸۸) اسی طرح موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کی بھی بعض جسمانی صفات کا ذکر ہوا۔ "وأخي هارون هو افصح مني لسانا (۸۹) مدین کے شیخ کی صاحبزادی کا جو قول نقل کیا اس میں بھی ایک صفت کا ذکر ہے۔ "ان خير من استأجرت القوى الامين" (۹۰) اسی طرح ان کے غصہ وغضبناکی کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ (۹۱) جن شخصیات کی جسمانی خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ان میں یوسف بھی ہیں، جن کے بارے میں عورتوں نے کہا "ما هذا بشرا ان هذا الا ملك كريم" (۹۲) اسی طرح طالوت کا بھی ذکر کیا گیا "وزاده في العلم و الجسم" (۹۳) مختصر یہ کہ جسمانی صفات وخصوصیت کا ذکر صرف انہیں مقامات پر کیا گیا ہے جہاں اس کی قیمت ومنزلت بہت اہم اور واضح ہو، اسکے برعکس نفسیاتی، عقلی اور اخلاقی خصوصیات کا خوب تذکرہ ہے جو واضح اور ظاہر ہے اور قرآن کریم کے قصے بیان کرنے کا اصل مقصد بھی۔

قصص قرآنی میں پلاٹ:

کسی بھی قصہ میں واقعہ (پلاٹ) کا شخصیت سے بہت مضبوط رابطہ ہوتا ہے، زمان ومکان اور فکر ووجدان کو منتقل کرنے میں جو طریقے استعمال ہوتے ہیں وہ

درحقیقت اس واقعہ سے متعلق شخصیت کی حرکات اور اس کے افعال پر مبنی ہوتے ہیں، قصص القرآن میں شخصیات مختلف ہیں، اور اسی سبب واقعات بھی مختلف ہیں، لیکن یہ سب قصص قرآن کے مزاج کے عین مطابق ہیں، قرآن کریم کتاب الٰہی ہے اور یہ قصص اس کا جزء ہیں، اس لیے انبیاء وصالحین کے ذریعہ دعوت الی اللہ کی تحریک کو یہ سب واقعات پیش کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں کفار کی طرف سے جو رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور مزاحمتیں ہوئیں، وہ مشاہد بھی پیش کرتے ہیں، قصص قرآنی کے احداث میں اللہ عزوجل کی مداخلت بہت بار بار نظر آتی ہے، تاکہ نبوت کی حقانیت، مومنین کے لیے بشارت اور دشمنوں سے انتقام لیا جا سکے۔ بسا اوقات خوارق ومعجزات میں فرشتوں کا انسانی صورت میں آکر ان قصص میں کوئی کردار نبھانا بھی واضح ہے، البتہ یہ خوارق ہر نبی کے ساتھ مختص ہوتے ہیں جو کسی ایک کے ساتھ ہو، وہ کسی دوسرے کے ساتھ مکرر نہیں ہوتا۔

قصص قرآنی میں حوادث کو دو طریقوں سے پیش کیا گیا ہے ایک تو ان کو وقوع کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے، دوسرے بعض مرتبہ بعد میں پیش آمدہ واقعہ کو مقدم کیا گیا ہے پہلے پیش آنے والے واقعہ پر، ایسا بدلی نقطہ نظر کے سبب کیا گیا کہ مقدمہ کی جانب توجہ مبذول کرائی جا سکے۔

قصص قرآنی میں مکالمہ:

مکالمہ فن قصہ کا ایک اہم عنصر ہے اس کے ذریعہ شخصیات کی اندرونی کیفیات اور ان کے اقدامات کا اندازہ ہوتا ہے اور مخالفین کی حجت، مخالفت سامنے آتی ہے، یہ قاری میں اشتیاق پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ اس کا اسلوب بیشتر اوقات متغیر ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے قصص میں یہ عنصر بہت واضح ہے اگرچہ شخصیات مختلف ہیں لیکن اس کے ذریعہ حجت وجدل بہت واضح ہوکر سامنے آتا ہے۔

قصص قرآن میں اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات سے باہم مکالمات ہیں، ملائکہ اور بشر، بشر و پرندہ، جن و انس اور اسی طرح خود انسانوں کے مابین مکالمات موجود ہیں، یہ الگ بات کہ قصص قرآن کے تمام مکالمات حقیقی و واقعی ہیں، جن اشخاص کی زبانوں سے وہ ادا ہوئے ان کے بالکل مناسب ہیں، ان کے فکری مذاق و عقلی معیار سے ذرا بھی مختلف نہیں، کیا اس خصوصیت کے سبب یہ اشکال ہو کہ قصہ سلیمان میں چیونٹی کی نسبت جو بات نقل کی گئی یا ہدہد کا جو کلام نقل کیا گیا، یہ کیونکر ممکن ہے تو سیدھا سا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی قابل تعجب امر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص موقع پر اپنی کسی ایسی مخلوق کو محض اپنی قدرت سے ایسی قوت ادراک عطا کردیں جن کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ سمجھ نہیں سکتی ہیں لیکن عطائے خداوندی سے وہ ایسا نمونہ پیش کریں جس کا ادراک عقل بھی نہ کر سکیں۔ (۹۴)

قصص قرآن میں مکالمہ کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ وہ کسی ایک ہی اسلوب میں نہیں ہوتا بلکہ اس میں تلون و تنوع پایا جاتا ہے، کبھی کبھی ذہن کو متوجہ کرنے کے لیے غائب سے اچانک حاضر کی طرف ذہن کو منتقل کیا جاتا ہے تاکہ وہ موقف مزید قوی ہو جائے جو اس وقت بیان کیا جا رہا ہے۔ (۹۵)

قصص قرآنی میں زمان:

قصص قرآن میں زمانوں کی تاریخی تحدید نہیں ملتی کہ کس زمانے میں کون سے نبی کی بعثت ہوئی، اور کس وقت کون سی قوم تباہ کی گئی، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قرآن کریم جس تذکیر و ہدایت اور عبرت و نصیحت کے لیے نازل کیا گیا اس میں تحدید زمانی سے کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا، البتہ ایک دوسری صورت واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی تحدید کے لیے یہ ملتی ہے کہ کسی بھی واقعہ میں جو داخلی زمانہ اس سے متعلق

ہوتا ہے اس مدت کو قرآن بیان کرتا ہے جس سے قصہ کا شدید ربط ہوتا ہے اور اس سے دروس عبرت کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

حضرت صالحؑ اور ان کی قوم کے قصہ میں جو مدت عقر ناقہ کے بعد ان کو دی گئی اس کا بیان ہے فعقروها ، فقال تمتعوا فی دارکم ثلاثة ایام ذلك وعد غیر مكذوب۔ (۹۶) یہاں زمانہ کا ذکر تفکر و تدبر کا داعی ہے کہ ہر قوم کے لیے وقت مقرر ہے اور قوم صالحؑ کی مدت صرف تین دن باقی رہ گئی تا آنکہ ان پر عذاب نازل کیا جائے، اب نبی کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ اس مدت میں اپنے معاملات کو اور پختہ کر لیں، تا کہ نجات پا جائیں، اسی طرح موسیٰ کے قصہ میں راتوں کی تحدید ہے اور اس سے موسیٰ کے اپنی قوم سے دور رہنے کی اس مدت کی تحدید ہوتی ہے جس میں سامری نے بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کے لیے ایک فتنہ کھڑا کیا۔ اسی طرح متعدد قصوں میں داخلی زمانہ و مدت کا بیان تو ہے جس سے قصہ کی ابتداء و انتہاء کا پتہ ملتا ہے لیکن ایام وسنین کے اعتبار سے کسی تحدید کا پتہ نہیں چلتا اور نہ ہی اس کے زمانہ وقوع کی تعیین ہوتی ہے، یہ وضاحت پہلے ہی ہو چکی ہے کہ یہ مقصد بھی نہیں اور اس سے تشویق میں کوئی نقص بھی پیدا نہیں ہوتا بلکہ قرآن کا ہر قصہ اپنے آپ میں جمال و تشویق کا نمونہ ہے۔

قصص قرآنی میں مکان:

جب بھی کوئی واقعہ انسانی معاشرے میں رونما ہوتا ہے تو زمان و مکان سے اس کا کلی ربط ہوتا ہے، اسی لیے قصہ میں بھی زمان و مکان کا ظاہر ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن اسلوب قصہ نگاری قصہ کی غایت و مقصدیت کے پیش نظر بسا اوقات ایک عنصر کو ظاہر کرتا ہے تو دوسرے سے غفلت برتتا ہے، قصص قرآنی میں بھی یہ بات نظر آتی ہے کہ اس میں عبرتوں کو پوری قوت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کے لیے خوبصورت فنی

اسلوب کا استعمال کیا گیا ہے لیکن زمان و مکان کی تحدید سے گریز کیا گیا ہے، اور یہ عرض کیا گیا کہ قرآن نے داخلی زمانہ کی طرف تو التفات کیا ہے لیکن خارجی زمانے کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔

البتہ جہاں تک قصص قرآنی میں مکان کی بات ہے تو اس کے ظہور کی دو صورتیں اختیار کی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ معین جگہ کا ذکر کیا گیا جس کی جغرافیائی اعتبار سے نقشہ پر تحدید کی جا سکے اور دوسرے یہ کہ ایسی جگہ کا تذکرہ کیا گیا جہاں واقعہ رونما ہوا لیکن اس کی کوئی جغرافیائی تحدید نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں بسا اوقات کسی مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کا نام نہ لے کر صفات کا ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ قرینہ ملتے جیسے الارض المقدسة کہا گیا۔ اس طرح صفت کو ذکر کرنا صراحت کے ساتھ نام لینے سے اس لیے بھی زیادہ بلیغ ہے کہ یہاں اس مقام کے تقدس کو بیان کرنا اصل مقصد کا ایک جزء ہے۔

لیکن اس صورت میں دوسرے بہت سے ان مقامات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی صفات بھی نہیں ذکر کی گئیں جو اس کی کسی طرح کی تحدید میں دلالت کریں جیسے المدینة (۹۷) القریة (۹۸) وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی عبرت یا نصیحت اور نہ یہ قصص قرآنی کی غایت و مقصدیت کا حصہ ہے کہ واقعات کی جائے وقوع کی تحدید کی جائے۔ اس کا اصل ہدف یہ ہے کہ اس میں جو درس عبرت ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے مختصر یہ کہ جہاں قرآن نے مکان کی تحدید کی وہاں کوئی فائدہ و عبرت کی بات ہے ورنہ مکان کو غایت نہ سمجھ کر وسیلہ سمجھتے ہوئے کبھی مبہم ذکر کر دیا اور کبھی صفت کے ساتھ ذکر کرنے پر اکتفا کی۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ قصہ یوسف میں مصر کی تحدید کی گئی۔ اس لیے کہ ضروری تھا کہ ان کی جائے آزمائش پھر جہاں وہ

وزیر ہوئے اور امین خزانہ رہے اس کو ظاہر کیا جائے لیکن وہ کہاں سے تھے ان کا وطن اصلی اور آبائی مکان کہاں تھا اس کے ذکر سے گریز کیا صرف آخر میں حضرت یوسف کی زبانی یہ کہہ دیا گیا وجاء بکم من البدو (۹۹) اسی طرح قصہ موسیٰ میں مصر کو تحدید کے ساتھ ذکر کیا گیا کیونکہ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں اس لیے لازمی تھا کہ اس جگہ کا ذکر کیا جائے جہاں ان کو غلامی میں جکڑا گیا اور ذلتوں کا مزہ چکھایا گیا۔

قصص قرآنی کے موضوعات:

ا۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق انسان کے تصور کی تصحیح:

یہ وہ موضوع ہے جو تمام انبیاء کی دعوت میں مشترک رہا ہے، سب نے اس کی کوشش کی ہے کہ انسانی ذہن میں مختلف طاقتوں اور متعدد معبودوں کا جو تصور پہلے سے قائم تھا اس کی نفی کر کے صاف و شفاف وحدانیت رب کا یقین دلایا جائے۔ یہ بات تقریباً سب کی زبان پر جاری ہوئی یاقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره (۱۰۰) اس کے لیے بسا اوقات صفات الہیہ کا حوالہ دیا گیا اور کبھی ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا ذکر کیا گیا اور کبھی ان کے اسلاف پر نازل کیے گئے عذاب کا تذکرہ کیا گیا۔ (۱۰۱)

۲۔ انسانی وجود:

انسان کو اس زمین پر سب سے زیادہ اکرم و اشرف بنایا گیا ہے، یہ بات قصہ آدمؑ میں ابھر کر سامنے آتی ہے، اسی طرح انسانی مزاج، تخلیقی نیز اخلاقی کیفیت اور اس کے وجود کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، جو چیزیں اس کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں، اور سفر حیات طے کر کے جس طرح جنت یا جہنم تک پہنچے گا اسے بھی اچھی طرح بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ کفر وایمان کی کشمکش:

قرآنی قصوں کا یہ سب سے بنیادی موضوع ہے۔ قصہ آدم میں شیطان کا عناد، انبیاء کی قوموں کا عناد اور ہٹ دھرمی اور ان کی دعوت کی تردید اسی کشمکش کا حصہ ہے۔

اسی کشمکش کے نتیجہ میں انبیاء ومومنین کے ساتھ استہزا کیا گیا، ان کی تحقیر و تذلیل کی گئی، انبیاء پر سحر، جنون، گمراہی، اور جھوٹ کے الزام لگانے کے ساتھ یہ کہا گیا کہ ان کے ساتھ معبودوں نے بُرا کر دیا ہے۔ (۱۰۲) اور ان کی دعوت سے چھٹکارا پانے کے لئے ان کے قتل واخراج کی کوششیں کی گئیں۔ (۱۰۳)

۴۔ انفرادی سرکشی:

اس موضوع کے تحت قرآنی قصص میں ان افراد کا کردار بیان کیا گیا ہے جو تنہا ہی دعوت الٰہی کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے، اور ان کی سرکشی کے سبب کفر وعناد کو تقویت ملتی تھی، اس میں سب سے نمایاں نام فرعون کا ہے۔

۵۔ مومن بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رعایت:

یہ موضوع اکثر مقامات پر اس طرح آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نجات دینے اور مکذبین کو ہلاک کرنے کا تذکرہ کیا تو مومنین پر اپنی خاص رحمت کا تذکرہ کیا، اور پھر نجات خود ہی اللہ تعالیٰ کی رعایت کا مظہر ہے، اسی طرح یہ موضوع انبیاء کرام کی معاونت بالخصوص حضرت ابراھیم کی حفاظت اور مختلف مراحل زندگی میں حضرت موسیٰ کا تعاون اور اصحاب کہف کی نجات وغیرہ میں خوب واضح ہے۔

۶۔ تخلیق واحیاء میں آیات الٰہیہ کو پیش کرنا:

متعدد قصوں میں اس موضوع کو اپنایا گیا ہے، مثلاً قصہ آدم میں ان کی تخلیق کو واضح کیا گیا، مسیحؑ کی تخلیق میں قدرت الٰہی کا تذکرہ ہوا، حضرت ابراھیم وحضرت

زکریا کی بانجھ بیویوں سے تولد ہونے میں قدرت الٰہی کا بیان ہوا، اسی طرح سینکڑوں سال اصحاب کہف کے سونے کے بعد ان کو بیدار کرنے اور بنی اسرائیل کے ایک مقتول کو گائے کے بدلے زندگی عطا کرنے میں آیات الٰہیہ کو بیان کیا گیا۔

۷۔ انسان اور تقدیر:

یہ موضوع خاص طور پر اہم کر قصہ موسیٰ خضر میں سامنے آتا ہے کہ حضرت موسیٰ ظاہر کو دیکھتے ہیں، اور اعتراض بھی کرتے ہیں مگر اللہ کی حکمتیں بعد میں سامنے آتی ہیں۔

۸۔ انسان اور مال:

اس موضوع کو تین قصوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک تو قارون کے قصہ میں جس نے اللہ کی نعمتوں کو بھلا دیا۔ (۱۰۴) دوسرے صاحب الجنتین جس نے یہ گمان کیا کہ اس کا مال میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ (۱۰۵) تیسرے اصحاب الجنۃ جنھوں نے فقراء کا حق بھی لے لینے کا ارادہ کر لیا۔ (۱۰۶)

۹۔ گناہ و توبہ:

یہ موضوع خاص طور پر آدم کے قصہ میں بیان ہوا جس میں انسانی فطرت کے اظہار کے بعد توبہ و استغفار کا موقف سامنے آیا جب کہ شیطان کی ہٹ دھرمی کا موقف دوسری جانب سامنے آیا، اسی طرح نوح کے استغفار و موسیٰ کے استغفار کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

۱۰۔ انسانی احساسات:

قصص قرآنی میں انسانی احساسات میں ایک پہلو تو وہ ہے جو نہایت پاکیزگی کے ساتھ مدین میں حضرت موسیٰ کے ساتھ پیش آیا جس سے ایک مرد کے لیے ایک خاتون کے پاکیزہ میلان کا اظہار ہوا اس کے برخلاف غیر پاکیزہ رجحان

۱۲۔معاشرتی فساد:

بہت وضاحت کے ساتھ اجتماعی فساد کو قصہ لوط میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح وہ لوگ فحاشی، ڈاکہ زنی اور زمین پر فساد پھیلاتے تھے، قصہ یوسف میں بھی اس پہلو کو واضح کرتے ہوئے مصر کے طبقۂ حکام کے اخلاق و عادات کا ذکر کیا گیا ہے، عزیز مصر کی بیوی کا موقف، شہر کی عورتوں کی رائے اور پھر عزیز مصر کا موقف بیان کیا اور یہ واضح کیا کہ کس پر بادشاہ وقت خاموش رہا اور حضرت یوسفؑ کے ساتھ زیادتی کی۔

قصص قرآنی کی غایات:

قرآن کریم کے قصے خود قرآن کا ایک جزء ہیں اس لیے نزول قرآن کے مقاصد واہداف میں سے ہی بعض مقاصد ان قصوں کی غرض و غایت ہیں، یہ قصے قرآن کریم کے ان وسائل میں سے ایک وسیلہ ہیں جن کو قرآن نے تبلیغ کے لیے استعمال کیا ہے، یہ بات واضح ہے کہ قرآن کا نزول مخلوق خدا کے عقائد کی تصحیح، اخلاق کی درستگی اور تبشیر وانذار کے ذریعہ راہ ہدایت کی طرف رہنمائی کے لیے ہوا ہے، اس کی تکمیل کے لیے قرآن نے قصوں کا مؤثر اسلوب بھی اپنایا ہے، اور ایسی شکل میں پیش کیا ہے جس کی جاذبیت وتاثیر سے سر مو انحراف ممکن نہیں، بنیادی طور پر قصص قرآنی کی دو غایت ہیں۔

۱۔عقیدہ:

عقیدہ کی تصحیح وپختگی کے لیے قرآن نے قصوں کو بطور دلیل استعمال کیا ہے اور نبوت محمدی کی تصدیق کے لیے اس کو برہان بنایا ہے، اور صراحت کے ساتھ یہ کہا کہ یہ وہ واقعات ہیں جن کو اگر قرآن بیان نہ کرتا تو ان کو اور ان کی قوم کو اس کا علم نہ ہوتا (۱۱۴) یہی نہیں بلکہ قصوں کو اس طرح بھی استعمال کیا کہ تمام انبیاء کی رسالت کے مابین ایک قسم کے اتحاد کو بیان کیا جائے، یہ اتحاد خاص طور پر انبیاء کرام کی ان کی قوم

کے ذریعہ تردید (۱۱۳)، اور انبیاء کے ذریعہ سابقہ اقوام کے انجام کو بیان کرنے کے ذریعہ تذکیر میں پایا جاتا ہے (۱۱۴) اسی طرح یہ یکسانیت انبیاء کرام کا اپنی قوم کے انکار، یکساں دشمنی، یکساں اقوال ایک جیسے الزامات، اتہامات اور دھمکیوں کا سامنا کرنے میں بھی پائی جاتی ہے۔ (۱۱۵)

۲۔ تربیت:

یوں تو پورا قرآن انسانیت کی تربیت کے لیے اور صحیح راہ دکھانے کے لیے اتارا گیا لیکن تربیتی مقصد خاص طور پر قصص میں ظاہر ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر اللہ تعالی نے تربیت کی جو ترتیب رکھی ہے، وہ اس طرح ہے کہ پہلے اپنے نبی ﷺ کی تربیت اور پھر صحابہ کرام کی خاص طور پر اور عام مسلمانوں کی عام طور پر تربیت، اور کفار کے لئے سوء عاقبت کی ترھیب کا اہتمام کیا ہے۔

چنانچہ بعض مقامات پر نبی آخر الزماں کو خطاب کر کے ایسے اشارے دیے گئے جن میں آپ کے لیے خاص تربیت تھی، درحقیقت آپ کو جو عظیم ذمہ داری سپرد کی گئی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ وقتاً فوقتاً آپ کو سابق انبیاء کرام کے تجربات، ان کے اور ان کے متبعین کے انجام سے واقف کرایا جائے، چنانچہ سورہ ہود میں نوحؑ کا قصہ بیان کر کے یہ کہا گیا "تلك من أنباء الغيب نوحيها إليك ماكنت تعلمها أنت ولا قومك من قبل هذا فاصبر إن العاقبة للمتقين"۔ (۱۱۶) یہاں (صبر کرنے کا حکم) آپ کی تسکین اور دل جمعی اور نصرت خداوندی کی امید رکھنے کے لیے دیا گیا، کہ جس طرح اللہ کا معاملہ تمام انبیاء اور ان کے پیرو کاروں کے ساتھ رہا ہے وہ آپ کے ساتھ بھی ہوگا، اسی سورہ میں متعدد انبیاء کے قصے بیان کرنے کے بعد آخر میں اس غایت کو اور واضح کیا گیا کہ اس سے آپ کے دل کو تقویت

پہنچنے اور ثابت قدم رکھنے کا مقصد اس کا حاصل ہے۔ ارشاد ہے وكلا نقص عليك من أنباء الرسل ما نثبت به فؤادك (۱۱۷) اسی طرح آخر مقامات پر ان قصوں کو درس عبرت بنا کر پیش کیا گیا اور ان سے نصیحت و عبرت لینے کا حکم دیا گیا۔ اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده۔ (۱۱۸)

دوسرے درجہ میں ان قصص میں صحابہ اور بعد کے عام مسلمانوں کی تربیت کا سامان ہے۔ "لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب" (۱۱۹) "وجاءك في هذه الحق موعظة وذكرى للمؤمنين" (۱۲۰) چنانچہ ایک تو یہ پہلو نمایاں طور پر سامنے آتا ہے کہ انبیاء کے متبعین عام طور پر کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں لیکن نور ایمانی سے منور قلوب انھیں وہ قوت فراہم کرتے ہیں جس کے سامنے سب کچھ ہیچ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمان و عزیمت کا سبق دیا گیا اور یہ سبق دیا گیا کہ بہر حال ایمان کو ہر چیز پر ترجیح دینا ہے خواہ اس کے لیے ایک غار میں جا کر گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑے جیسے کہ اصحاب کہف نے کیا یا وقت کے فرعون سے ٹکر لینی پڑے جیسا کہ آل فرعون کے ایک مومن نے موسیٰ کے سلسلہ میں فرعون سے مکالمہ کیا۔ (۱۲۱)

اس طرح قصص قرآن میں منکرین و مشرکین کو شرک پر ان کے اصرار سے ڈرایا گیا ہے اور ان میں خوف پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے عذاب کا تذکرہ کیا گیا جس سے وہ متاثر رہتے ہیں اور اسے محسوس کرتے ہیں۔ اس وضاحت کرنے کے لیے ان قصص میں گذشتہ قوموں کے کفر و مکذبین کا حال بیان کیا گیا اور انھیں ان کے انجام سے اس طرح ڈرایا گیا کہ ان کا وہ خطرناک معنی ان پر خوب واضح ہو جائے جس کو انھوں نے حق کی دشمنی میں ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اپنا رکھا ہے۔ (۱۲۱)

بہرحال ان سطور سے قصص قرآنی کی فنی اہمیت اور قدر وقیمت کا خوب اندازہ ہوتا ہے اور افسانوی ادب میں منہج اسلامی کی تشکیل میں اس سے استفادے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اسی سلسلہ میں سید قطب نے سورہ یوسف کی تفسیر میں ایک خاص اشارہ کیا ہے۔ "قصہ یوسف میں افسانوی ادب میں منہج اسلامی کو اختیار کرنے کا مکمل نمونہ موجود ہے جو نفسیاتی، عقائدی، تربیتی و تحریکی ضرورتوں کو پیش کرتا ہے۔ قرآن کا یہ منہج تمام قصص میں یکساں ہے، البتہ قصہ یوسف میں خاص طور پر اس کی ادائیگی کے لیے فنیت کو برتا گیا ہے۔" (۱۲۶)

افسانوی ادب میں قرآن کریم سے استفادہ کرنے کے لیے سب سے پرزور آواز محمد قطب کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "جب ہم افسانوی ادب کے میدان میں قرآن کریم سے استفادے کی بات کرتے ہیں تو یہ لازم نہیں ہوتا ہے کہ اسلامی افسانوی ادب پورے طور پر قصص قرآنی کے مضمونات، طریقہ اور اسلوب سے ہم آہنگ ہو، بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان قصص میں جو تکنیک اختیار کی گئی ہے وہ بعینہٖ حرف بحرف نہیں بلکہ اپنے بنیادی مقصود کی حیثیت سے اختیار کی جائے، اور پھر پوری وسعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس توجیہ کے زیر سایہ کام کیا جائے نہ کہ موضوعی و فنی اعتبار سے اپنے کو مقید کیا جائے، بلکہ صرف یہ التزام کیا جائے کہ شخصیات واحداث (پلاٹ) اور تمام اشیاء کا جو تصور ہو وہ تصور اسلامی سے مستفاد ہو، یہ آخری اور جامع بات یہ ہے کہ اس میں کوئی چیز ایمانیات سے متعارض نہ ہو، برائی خوبصورتی کا لبادہ اوڑھے ہوئے اور خیر پر قباحت کا لباس نہ چڑھ جائے، منکرات کی طرف دعوت نہ ہو اور ہر وقت یہ پیش نظر رہے کہ تمام احداث و اشیاء کے پیچھے قدرت کی کارفرمائی اور اس کا تصرف ظاہر ہو، اس طور پر کہ وہی وہ قوت ہے جو پورے طور پر موجودات میں تصرف کی مقتدر ہے۔" (۱۲۷)

یوسف ۱۰۱ (۱۹) سورہ مائدہ ۲۷-۳۱۔ (۲۰) سورہ کہف ۹-۲۶۔ (۲۱) سورہ کہف ۳۲-۴۴۔ (۲۲) سورہ کہف ۸۳-۹۸۔ (۲۳) سورہ بقرہ ۲۴۶-۲۵۱۔ (۲۴) سورہ قصص ۷۶-۸۳۔ (۲۵) سورہ یٰس ۱۳-۲۹۔ (۲۶) سورہ قلم ۱۷-۳۳۔ (۲۷) سورہ بقرہ ۲۵۹۔ (۲۸) سورہ صافات ۱۲۳-۱۳۰۔ (۲۹) سورہ سبا ۱۵-۲۰ (۳۰) سورہ الفیل (۳۱) سورہ بروج ۴-۱۰۔ (۳۲) سورہ بقرہ ۳۰-۳۹۔ (۳۳) سورہ اعراف ۱۰-۲۵۔ (۳۴) سورہ حجر ۲۶-۴۴۔ (۳۵) سورہ اسراء ۶۱-۶۵ (۳۶) طٰہٰ ۱۱۵-۱۲۷۔ (۳۷) ص ۶۷-۸۵۔ (۳۸) سورہ آل عمران ۵۹۔ (۳۹) سورہ کہف ۵۰-۵۱۔ (۴۰) سورہ ہود ۲۵-۴۸۔ (۴۱) سورہ نوح۔ (۴۲) سورہ اعراف ۵۹-۶۴۔ (۴۳) سورہ یونس ۷۱-۷۳۔ (۴۴) سورہ انبیاء ۷۶-۷۷۔ (۴۵) سورہ مومنون ۲۳-۳۰۔ (۴۶) سورہ شعراء ۱۰۵-۱۲۲۔ (۴۷) سورہ عنکبوت ۱۴-۱۵۔ (۴۸) سورہ صافات ۷۵-۸۲۔ (۴۹) سورہ قمر ۹-۱۷۔ (۵۰) سورہ تحریم ۱۰۔ (۵۱) سورہ انبیاء ۵۱-۷۳۔ (۵۲) سورہ صافات ۸۳-۱۱۳۔ (۵۳) سورہ عنکبوت ۱۶-۲۷۔ (۵۴) سورہ انعام ۷۴-۸۴۔ (۵۵) سورہ شعراء ۶۹-۸۹۔ (۵۶) سورہ مریم ۴۱-۵۰۔ (۵۷) سورہ بقرہ ۲۵۸-۲۶۰۔ (۵۸) سورہ ہود ۶۹-۸۳۔ (۵۹) سورہ ذاریات ۵۱-۷۷۔ (۶۰) سورہ البقرہ ۲۴-۳۷۔ (۶۱) سورہ حج ۱۲۴-۱۳۲۔ (۶۲) سورہ اعراف ۸۰-۸۴۔ سورہ انبیاء ۷۴-۷۵۔ سورہ شعراء ۱۵۹-۱۷۵۔ سورہ نمل ۵۴-۵۸۔ سورہ صافات ۱۳۳-۱۳۸۔ سورہ قمر ۳۳-۴۰۔ (۶۳) سورہ آل عمران ۳۲-۵۸۔ (۶۴) سورہ مریم ۱-۳۷۔ (۶۵) ان مقامات میں سورہ زخرف ۵۷-۶۵۔ اور سورہ نساء ۱۵۶-۱۶۰۔ کی یہ آیات ہیں (۶۶) سورہ نمل ۱۵-۴۴۔ (۶۷) سورہ

قصص ۳-۴۲۔(۶۸)سورہ طہٰ ۹-۹۸۔(۶۹)سورہ شعراء ۱۰-۶۸۔ (۷۰)
سورہ اعراف ۱۰۳-۱۰۳-(۷۱)سورہ کہف ۶۰-۸۲ ۔(۷۲)سورہ بقرہ ۶۷-
۷۳-(۷۳)سورہ ق ۲۳-۲۶۔(۷۴)المائدہ ۲۰-۲۶۔سورہ ابراھیم ۵-۸
۔سورہ اسراء ۱۰۱-۱۰۳۔سورہ نمل ۷-۱۴۔سورہ زخرف ۴۶-۵۶۔سورہ نازعات
۱۵-۲۶۔(۷۵)سورہ بقرہ ۴۹، ۶۲، سورہ نساء ۱۵۳، ۱۶۲، سورہ مائدہ ۱۲-۱۳۔
(۷۶)سورہ بقرہ ۱۳۲، ۱۳۳، سورہ انعام ۸۴، سورہ ہود ۷۱۔(۷۷)سورہ
یونس ۹۸۔سورہ انبیاء ۸۷، ۸۸۔سورہ صفت ۳۹-۱۴۸۔سورہ القلم ۴۸-۵۰
۔(۷۸)سورہ الحج ۴۲-۴۵۔سورہ الفرقان ۳۷-۴۰۔سورہ العنکبوت ۳۸-۴۰
۔سورہ ق ۲-۱۰۔ (۷۹) التہامی نقرہ، سیکلوجیہ القصۃ فی القرآن۔ص ۱۵۶-
۱۷۶-۲۲۵۔ (۸۰)محمد قطب، منہج الفن الاسلامی ص۱۵۷۔ (۸۱) محمد احمد خلف
اللہ، الفن القصص فی القرآن الکریم۔ص ۱۲۱-۱۵۲-۱۷۱-۱۸۴۔(۸۲) مصدر
سابق ۱۱۹۔ (۸۳)عبدالکریم الخطیب، القصص القرآنی۔ص ۱۰۲۔ (۸۴)
مصدر۔ص ۱۰۳۔(۸۵)سورہ آل عمران ۴۲۔(۸۶) سورہ طہٰ ۹۹۔(۸۷)الفن
القصص فی القرآن الکریم ص ۳۰۷ (۸۸) سورہ طہٰ ۱۱۵۔ (۸۹) سورہ
قصص ۳۴۔(۹۰)سورہ القصص ۲۶۔(۹۱)سورہ اعراف ۱۵۰۔سورہ طہٰ ۹۴۔
(۹۲) سورہ یوسف ۳۱۔ (۹۳)سورہ بقرہ ۲۴۷۔ (۹۴)عبد الکریم الخطیب،
القصص القرآنی ص ۱۲۹۔ (۹۵)ثروت اباظہ، السرد القصصی فی القرآن الکریم
ص ۹۵-۹۶۔(۹۶)سورہ ہود ۲۵۔(۹۷)سورہ قصص ۱۵-۱۸۔(۹۸)سورہ
یٰسین ۱۳، سورہ کہف ۷۷۔ (۹۹)سورہ یوسف ۱۰۰۔ (۱۰۰) سورہ اعراف
۵۹-۶۵-۷۳-۸۵۔ سورہ یونس ۵۰-۷۱۔ سورہ ہود ۸۴۔ (۱۰۱)سورہ

فصل چہارم

قصص حدیث نبوی

گذشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا کہ قرآن کریم میں قصے کس حیثیت سے موجود ہیں کہ ان کی بنیاد پر اسلامی قصوں کے خدوخال بن جاتے ہیں۔ ان میں عناصر اسلوب قصص کے ساتھ غایت و مقصدیت بالکل شامل ہے۔ ٹھیک اسی طرح حدیث نبوی میں بھی قصے موجود ہیں، رسول کریمؐ نے اپنی احادیث میں متعدد قصے بیان کیے ہیں، اگرچہ ان کی قسمیں اور ان کے موضوعات مختلف ہیں لیکن فنی عناصر ان میں خوب موجود ہیں، شخصیت، مکالمہ، پلاٹ جیسے عناصر کے ساتھ ساتھ ان کی بلند عظیم الشان غایت کا ان میں پایا جانا ان قصوں کی خصوصیت ہے، چنانچہ جس طرح گذشتہ فصل میں ہم اسلامی ناول نگاری کے بنیادی خطوط کی طرف رہنمائی ہم کو واضح نقوش نظر آتے ہیں اسی غرض سے ہم حدیث میں وارد قصوں کی اقسام، موضوعات، عناصر اور ان کی غایت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حدیث نبوی میں جو قصے آئے ہیں ان کی تین قسمیں کی گئی ہیں۔

۱۔ قصص السیرۃ الذاتیہ لنبی (نبی کریمؐ کے ذاتی تجربات و واقعات)

۲۔ القصص التاریخیہ (تاریخی قصے)

۳۔ القصص الغیبیہ (غیبی قصے یعنی مستقبل یا آخرت میں پیش آنے والے واقعات)

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے خبر اور مشاہدات نبی کریمؐ کے کسی واقعہ کو ایک منظر کے طور پر بیان کرنے کو بھی قصص میں شامل کیا ہے

جب کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خبر دینے اور منظر پیش کرنے میں نہ تو فنی عناصر ہیں اور نہ ہی ان پر "قصہ" کی اصطلاح کا انطباق کرنا صحیح ہے۔ ذیل میں ہم کئی روایات پیش کر رہے ہیں جو خبر ہیں یا ان کو بس مشاہدے کے درجے میں رکھا جا سکتا ہے، قصہ میں ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال: "بينما رجل يجر إزاره من الخيلاء خسف به، فهو يتجلجل في الأرض إلى يوم القيامة" (١) ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا: ایک شخص اپنا ازار تکبر کی وجہ سے کھینچتا تھا، تو اس کی وجہ سے اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔"

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: "بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق، فأخره، فشكر الله له، فغفر له" (٢) ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص راستے میں جا رہا تھا، اس نے راستے میں خاردار ٹہنی کو پایا تو ہٹا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی۔

عن جندب بن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: "كان فيمن قبلكم رجل به جرح فجزع، فأخذ سكينا فحز بها يده، فما رقأ الدم حتى مات. قال الله تعالى: بادرني عبدي بنفسه، حرمت عليه الجنة" (٣)

ترجمہ: "حضرت جندب بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: پچھلی امتوں میں ایک شخص تھا، اس کو زخم لگا تو وہ گھبرا گیا چنانچہ اس نے چھری لی اور اپنا ہاتھ کاٹ لیا، پس خون رکا نہیں یہاں تک کہ وہ انتقال کر گیا، اللہ تعالیٰ نے

ان شاء اللہ تعالیٰ تو وہ سب کے سب اللہ کے راستے میں جہاد کرتے۔"

اسی طرح جن روایات کو محض فن حدیث سے بچ کر شبہ کی ایک نظر سے طور پر قبول کرتے ہیں ان میں سے مثالیں یہ حدیثیں ہیں

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لله أشد فرحا بتوبة عبده حين يتوب إليه، من أحدكم كان على راحلته بأرض فلاة، فانفلتت منه وعليها طعامه وشرابه، فأيس منها فأتى شجرة فاضطجع في ظلها وقد أيس من راحلته، فبينما هو كذلك إذ هو بها قائمة عنده بخطامها، ثم قال من شدة الفرح: اللهم أنت عبدي وأنا ربك، أخطأ من شدة الفرح" (۲) ترجمہ: "حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ سے جب وہ توبہ کرتا ہے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے، اپنی سواری پر سنسان زمین میں ہو اور وہ سواری اس سے چھوٹ جائے یا کھو جائے اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی پر ہو، پھر وہ مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں لیٹ جائے اور اس کی حالت یہ ہو کہ وہ اپنی سواری سے مایوس ہو چکا ہو، وہ اسی حالت میں ہو کہ اچانک اس کی سواری اپنی لگام سمیت اس کے سامنے آ کھڑی ہو، اور پھر وہ فرط مسرت سے کہہ اٹھے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں، تو اس نے شدت خوشی کی وجہ سے یہ غلطی کی۔"

عن أبي هريرة: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يحدث وعنده رجل من أهل البادية: "أن رجلا من أهل الجنة استأذن ربه في الزرع، فقال: أولست فيما شئت؟ قال: بلى، ولكني أحب أن أزرع، فأسرع وبذر، فتبادر الطرف نباته واستواؤه واستحصاده وتكويره أمثال الجبال. فيقول

بـالبراق- وهو دابة أبيض طويل فوق الحمار و دون البغل يضع حافره عند منتهى طرفه - قال: فركبته حتى أتيت بيت المقدس ، قال: فربطته بالحلقة التي يربط بها الأنبياء قـال: ثـم دخـلت المسجد فصليت فيه ركعتين ، ثم خـرجت فجائني جبريل عليه السلام بإناء من خمر و إناء من لبن، فاخترت اللبن، فقـال جبريـل: اخترت الفطرة، ثم عرج بنا الى السماء ، فاستفتح جبريل، فقيل:من أنت ؟ قال: جبريل .

قيل: ومن معك؟ قال: محمد.

قيل : وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث إليه.

فإذا أنا بآدم، فرحب بي و دعا لي بخير.

ثـم عرج بنا إلى السماء الثانية، فاستفتح جبريل عليه السلام فقيل: من أنت؟ قال: جبريل.

قيل: ومن معك؟ قال: محمد .

قيل: وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث إليه .

ففتـح لنا، فإذا أنا بابنَي الخالة عيسى بن مريم ويحيى بن زكريا ـصلوات الله عليهما- فرحبا، ودعوا لي بخير .

ثـم عرج بي إلى السماء الثالثة، فاستفتح جبريل، فقيل : من أنت ؟ قال جبريل.

قيل : ومن معك؟قال : محمد ﷺ .

قيل : وقد بعث إليه ؟ قال قد بعث إليه .

ففتـح لنا، فإذا أنا بيوسف ﷺ ، إذا هو قد أعطي شطر الحسن،

فرحب بی، ودعا لی بخیر۔

ثم عرج بنا إلی السماء الرابعة، فاستفتح جبریل علیه السلام ۔

قیل : من هذا؟ قال: جبریل.

قیل: ومن معك؟ قال: محمد.

قیل : وقد بعث إلیه ؟ قال : قد بعث إلیه .

ففتح لنا، فإذا أنا بإدریس، فرحب، ودعا لی بخیر.قال الله عزوجل:(ورفعناه مكانا علیا)(۱۱)

ثم عرج بنا إلی السماء الخامسة، فاستفتح جبریل،قیل : من هذا؟

قال: جبریل.

قیل ومن معك؟ قال: محمد.

قیل : وقد بعث إلیه؟ قال :قد بعث إلیه۔

ففتح لنا، فإذا أنا بهارون، صلی الله علیه وسلم ،فرحب و دعا لی بخیر،

ثم عرج بنا إلی السماء السادسة، فاستفتح جبریل ، قیل : من هذا؟

قال :جبریل.

قیل : ومن معك؟ قال:محمد.

قیل: وقد بعث إلیه؟ قال: قد بعث إلیه.

ففتح لنا، فإذا أنا بموسی ﷺ فرحب ودعا لی بخیر.

ثم عرج إلی السماء السابعة، فاستفتح جبریل، فقیل : من هذا؟

قال: جبریل.

قیل : ومن معك؟ قال:محمدﷺ.

قيل : وقد بعث إليه ؟ قال:قد بعث إليه .

ففتح لنا، فإذا أنا بإبراهيم ﷺ، مسنداً ظهره إلى البيت المعمور، وإذا هو يدخله كل يوم سبعون ألف ملك لا يعودون إليه . ثم ذهب بي إلى سدرة المنتهى، وإذا ورقها كآذان الفيلة، وإذا ثمارها كالقلال، قال: فلما غشيها من أمر الله ما غشي ، تغيرت، فما أحد من خلق الله يستطيع أن ينعتها من حسنها، فأوحى الله إلى ماأوحى ، ففرض علّي خمسين صلاة في كل يوم وليلة. فنزلت إلى موسى فقال . مافرض عليك ربك؟ قلت: خمسين صلاة.

قال : ارجع إلى ربك فاسأله التخفيف، فإن أمتك لا يطيقون ذلك، فإني قد بلوت بني إسرائيل وخبرتهم .

قال: فرجعت إلى ربي، فقلت:يارب خفف عن أمتي. فحط عني خمساً.

فرجعت إلى موسى فقلت : حط عني خمساً.قال: إن أمتك لا يطيقون ذلك، فارجع إلى ربك فاسأله التخفيف .قال: فلم أزل أرجع بين ربي تبارك وتعالىٰ وبين موسىٰ عليه السلام .حتى قال: يامحمد، إنهن خمس صلوات كل يوم وليلة، لكل عشر فذلك خمسون. ومن همّ بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة، فإن عملها كتبت له عشراً .ومن همّ بسيئة فلم يعملها لم تكتب شيئا. فإن عملها كتبت سيئة واحدة.

قال . فنزلت حتى انتهيت إلى موسى عليه السلام فأخبرته.

فقال: ارجع إلى ربك فاسأله التخفيف.

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "قد رجعت إلى ربي حتى

حضرت عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا سے ہوئی، ان دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے خیر کی دعا کی۔

پھر ہمیں تیسرے آسمان پر لایا گیا، اور حضرت جبرئیل نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا، ان سے کہا گیا آپ کون ہیں، حضرت جبرئیل نے فرمایا جبرئیل ہوں۔ پھر سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر کہا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے حضرت جبرئیل نے فرمایا ہاں ان کو بلایا گیا ہے۔

پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا تو وہاں میری ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی جب کہ ان کو حسن کا نصف حصہ عطا کیا گیا ہے، انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے خیر کی دعا کی۔

پھر ہمیں چوتھے آسمان پر لایا گیا، اور حضرت جبرئیل نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا، ان سے کہا گیا آپ کون ہیں، حضرت جبرئیل نے فرمایا جبرئیل ہوں۔ پھر سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر کہا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے حضرت جبرئیل نے فرمایا ہاں ان کو بلایا گیا ہے۔

پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا تو وہاں میری ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی، تو انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے خیر کی دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ورفعناه مکاناً علیاً" "اور ہم نے ان کو بلند مقام پر فائز کیا ہے"

پھر ہمیں پانچویں آسمان پر لایا گیا، اور حضرت جبرئیل نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا، ان سے کہا گیا آپ کون ہیں، حضرت جبرئیل نے فرمایا جبرئیل ہوں۔ پھر سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں، پھر کہا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا ہاں ان کو بلایا گیا ہے۔

پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا تو وہاں میری ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے خیر کی دعا کی۔

پھر ہمیں چھٹے آسمان پر لے جایا گیا، اور حضرت جبرئیل نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا، ان سے کہا گیا آپ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا جبرئیل ہوں۔

پھر سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر کہا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا ہاں ان کو بلایا گیا ہے۔

پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا تو وہاں میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے خیر کی دعا کی۔

پھر ہمیں ساتویں آسمان پر لایا گیا، اور حضرت جبرئیل نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا، ان سے کہا گیا آپ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا جبرئیل ہوں۔

پھر سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر کہا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا ہاں ان کو بلایا گیا ہے۔

پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا تو وہاں میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی اس حال میں کہ آپ بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، ابھی میں نے بیت المعمور کو دیکھا جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا، پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کے پتے ہاتھی کے کان کے مانند ہیں اور جس کا پھل بڑے مٹکے کی طرح ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے کسی ڈھانپنے والی چیز نے اس کو ڈھانپ لیا تو وہ تبدیل ہوگیا اور ایسا ہوگیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی تعریف نہ

سے قاصر ہے۔ پھر اللہ رب العزت نے میری جانب وحی کی جو بھی وحی کی اور میرے اوپر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ تو جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے مجھ سے پوچھا تمہارے رب نے تم پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس میں تخفیف کا مطالبہ کرو، بیشک تمہاری امت اس کی طاقت اور استطاعت نہیں رکھتی ہے، اس لئے کہ میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ میں اپنے رب کے پاس واپس گیا اور کہا اے میرے رب میری امت کے لئے تخفیف فرما دیجئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔

میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور ان کو خبر دی کہ پانچ کم کر لی گئی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیشک تمہاری امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی تم دوبارہ اپنے رب کے پاس جاؤ اور اس میں تخفیف کا مطالبہ کرو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں مسلسل اپنے رب اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تمہارے اوپر دن رات میں صرف پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اور ہر نماز کے بدلے دس نمازوں کا ثواب ملے گا، اس طرح پچاس نمازیں ہو جائیں گی اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا تمہاری امت میں سے جو اچھا عمل کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس کے لئے ایک اچھائی لکھ دی جائے گی، اگرچہ اس نے وہ نیک عمل نہ کیا ہو، اور اگر وہ عمل کر لیا تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا لیکن اس کو کیا نہیں تو

اس کے لئے کچھ نہیں لکھا جائے گا اور اگر وہ عمل کر لیا تو ایک برائی لکھی جائے گی۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں جب آنے لگا تو میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی میں نے ان کو ساری خبر دے دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور تخفیف کا مطالبہ کرو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنے رب کے پاس اتنی بار گیا ہوں کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔

اوپر جو اخبار ومشاہد کے قبیل کی روایات ذکر کی گئی ہیں ان کے اور اس روایت کے درمیان فرق بالکل واضح ہو گیا، یہاں نہ کچھ واقعات کی تلخیص بیان کی گئی اور نہ مختصر سی خبر دی گئی اور نہ کسی قصے کی خبر دی گئی اور نہ ہی قصے کے کسی منظر کو پیش کرنے جیسی بات ہے، جس میں ایک یا دو موقف کو پیش کرنے پر اکتفا کی گئی ہو، بلکہ اس میں غیب کا ایک قصہ اس طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اس میں بیان کردہ حقائق خیال کی دسترس سے باہر ہیں، پھر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر اس کو بیان کرنے میں ایک طرف دینی مقاصد مضمر ہیں، تو ساتھ ہی فنی خصوصیات وعناصر بھی اسی طرح موجود ہیں جن سے اعراض ممکن نہیں، چنانچہ خمر ولبن کے برتن میں جو اشارہ ہے، اسی طرح یوسف کے حسن کا ایک جزء پانے میں جو اشارہ ہے اسے محسوس کیا جا سکتا ہے، اسی طرح اس اشارہ میں کہ سدرۃ المنتہیٰ کو جس طرح ایسے حسن سے ڈھانپ لیا ہے جس کے وصف سے مخلوق عاجز ہے اس کو بھی صرف محسوس کیا جا سکتا ہے، تعبیر کے لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں ہے کہ مکالمہ کا عنصر اس میں بہت ظاہر ہے، ہر آسمان پر چڑھتے وقت اس کا تکرار ہے، پھر ہر تکرار میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہر آسمان پر رہنے والے ہیں اور ہر آسمان ایک ایسی جگہ ہے جہاں بدون اجازت کوئی جا نہیں سکتا، اسی طرح

اوپر چڑھتے ہوئے اس تکرار میں انبیاء کی ملاقات کا ذکر ہے، لیکن واپسی کے وقت ان ساری ملاقاتوں کا فقدان ہے، البتہ موسیٰ کی ملاقات کا ذکر ہے لیکن اس کا ایک خاص رخ ہے، کہ اس میں مسلمانوں پر نماز کی تخفیف کو بیان کیا گیا ہے، اور انسانی طبیعت کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور پھر انبیاء کے یہاں اس کمزوری کی رعایت کرنے کی رغبت اور اللہ تعالیٰ کے اسکو قبول کر لینے کا بھی اسمیں اشارہ ہے۔

دوسرا قصہ جو اسی قبیل کا ہے وہ آپ کا وہ خواب ہے جس میں آپ نے دیکھا کہ آپ جبریل و میکائیل کے ساتھ ہیں اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کو عالم برزخ اور غیب کے بعض مشاہدات اور مختلف قسم کے عذاب کا نظارہ کرایا گیا۔ ذیل میں یہ روایت نقل کی جاتی ہے۔

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال:" كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني مما يكثر أن يقول لأصحابه: هل رأى أحدكم من رؤيا ؟ قال: فيقص عليه ماشاء الله أن يقص. وإنه قال ذات غداة : إنه أتاني الليلة آتيان، وإنهما ابتعثاني، و إنهما قالا لي: انطلق ، وإني انطلقت معهما، وإنا أتينا على رجل مضطجع ، وإذا آخر قائم عليه بصخرة، وإذا هو يهوي بالصخرة لرأسه فيثلغ رأسه ، فيتدهده الحجر ها هنا، فيتبع الحجر فيأخذه، فلا يرجع إليه حتى يصح رأسه كما كان، ثم يعود عليه فيفعل به مثل مافعل به في المرة الأولى .

قال : قلت لهما: سبحان الله ، ماهذان؟ قال : قالا لي: انطلق انطلق .

فانطلقنا ، فأتينا على رجل مستلق لقفاه، وإذا آخر قائم عليه بكلوب من حديد، وإذاهو يأتي أحد شقي وجهه، فيشرشر شدقه إلى قفاه، ومنخره إلى قفاه ، وعينه إلى قفاه. (قال: وربما قال أبو رجاء: فيشق). قال

: ثم يتحول إلى الجانب الآخر فيفعل به مثل مافعل بالجانب الأول ، فما يفرغ من ذلك الجانب حتى يصح ذلك الجانب كما كان ،ثم يعود عليه ، فيفعل به مثل مافعل المرة الأولى.

قال : قلت : سبحان الله ، ماهذان؟ قال قالا لي : انطلق. انطلق.

فانطلقنا فأتينا على مثل التنور. قال: وأحسب أنه كان يقول:- فإذا فيه لغط و أصوات ، قال فاطلعنا فيه فإذا فيه رجال و نساء عراة، وإذاهم يأتيهم لهب من أسفل منهم، فإذا أتاهم ذلك اللهب ضوضوا .

قال : قلت لهما : ماهؤلاء؟ قال :قالا لي : انطلق ، انطلق ، قال: فانطلقنا، فأتينا على نهر.حسبت أنه كان يقول : أحمر مثل الدم ، وإذا في النهر رجل سابح يسبح ، وإذا على شط النهر رجل قد جمع عنده حجارة كثيرة، وإذا ذلك السابح يسبح مايسبح ثم يأتي ذلك الذي قد جمع عنده الحجارة، فيفغر له فاه فيلقمه حجراً، فينطلق يسبح ثم يرجع إليه، كلما رجع إليه فغر له فاه فألقمه حجراً.

قال : قلت لهما: ماهذا؟ قال : قالا لي :انطلق انطلق

قال فانطلقنا فأتينا على رجل كريه المرآة كأكره ماأنت راءٍ رجلاً مرآة ، وإذا عنده نار يحشها ويسعى حولها.

قال : قلت لهما : ماهذا ؟ قالا لي: انطلق انطلق.

فانطلقنافأتينا على روضة معتمة ، فيها من كل لون الربيع، وإذابين ظهري الروضة رجل طويل لا أكاد أرى رأسه طولاً في السماء ، وإذا حول الرجل من أكثر و لدان رأيتهم قط .

قال: قلت لهما: ماهذا؟ ماهؤلاء؟ قال:قالا لى: انطلق، انطلق.

فانطلقنا فانتهينا إلى روضة عظيمة لم أر روضة قط أعظم منها ولاأحسن

قال: قالا لى: ارق ، فارتقيت فيها.

قال : فارتقينا فيها فانتهينا إلى مدينة مبنية بلبن ذهب ولبن فضة ـ

فأتينا باب المدينة فاستفتحنا ففتح ، فدخلناها فتلقانا فيها رجال

شطر من خلقهم كأحسن ماأنت راء، وشطر كأقبح ماأنت راء.

قال: قالا لهم: اذهبوا فقعوا فى ذلك النهر.

قال: وإذا نهر معترض يجرى كأن ماءه المحض من البياض،

فذهبوا فوقعوا فيه ثم رجعوا إلينا قد ذهب ذلك السوء عنهم، فصاروا فى

أحسن صورة .

قال : قالا لى : هذه جنة عدن، وهذاك منزلك.

قال: فسما بصرى صعدا فإذا قصر مثل الربابة البيضاء.

قال : قالا لى: هذاك منزلك .

قال: قلت لهما: بارك الله فيكما، ذرانى فأدخله.

قالا : أما الآن فلا، وأنت داخله.

قال: قلت لهما. فانى قد رأيت منذ الليلة عجبا، فما هذا الذى رأيت؟

قال : قالا: أما إنا سنخبرك ، أما الرجل الأول الذى أتيت عليه يثلغ

رأسه بالحجر فإنه رجل يأخذ بالقرآن فيرفضه وينام عن الصلاة المكتوبة.

وأما الرجل الذى أتيت عليه يشرشر شدقه إلى قفاه و منخره إلى

قفاه وعينه إلى قفاه، فإنه الرجل يغدو من بيته فيكذب الكذبة تبلغ الآفاق.

اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: میں نے ان دونوں سے کہا سبحان اللہ، یہ دونوں کون ہیں، آپؐ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ آپ آگے چلئے"

آپؐ فرماتے ہیں! پھر ہم آگے چلے اور ایک ایسے شخص کے پاس آئے، جو چت لیٹا ہوا تھا اور جب کہ دوسرا شخص اس کے پاس لوہے کی زمبور لئے کھڑا ہے اور اس کی ایک جانب آتا ہے، اور اس کے جبڑے، نتھنوں، اور اس کی آنکھوں کو گدی تک چیر دیتا ہے، اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں، پھر وہ شخص دوسری جانب آتا ہے، اور ویسا ہی کرتا ہے جیسے پہلی جانب کیا تھا، اور وہ اس سمت سے اچھی طرح فارغ بھی نہیں ہو پاتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ پہلے کی طرح صحیح وسالم ہو جاتا ہے، پھر وہ پہلی جانب آتا ہے اور پہلے کی طرح کرتا ہے۔

اللہ کے رسولؐ نے فرمایا میں نے ان دونوں سے کہا سبحان اللہ یہ دونوں کیا کر رہے ہیں؟ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا! تو ان دونوں نے مجھ سے کہا آپ آگے چلئے۔ چنانچہ ہم آگے چلے، اور ایک تنور نما کسی چیز پر آئے آپؐ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ وہ کچھ کہہ رہے تھے۔

اس میں سے چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں، آپؐ نے فرمایا! تو ہم نے اس میں جھانک کر دیکھا، تو اس میں بہت سارے برہنہ مرد وزن تھے، اور آگ ان کے نیچے سے اوپر آرہی تھی، جس کی وجہ سے ان دونوں کی چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں۔

آپؐ نے فرمایا میں نے ان سے کہا یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے مجھ سے کہا آپ آگے چلتے رہئے، ہم لوگ چلتے رہے یہاں تک کہ ایک نہر پر آئے، راوی نے فرمایا مجھے گمان ہے کہ شاید آپ نے اس نہر کے پانی کو سرخ خون کی طرح فرمایا، او وہاں نہر میں ایک شخص تیر رہا ہے، اور نہر کے کنارہ پر ایک شخص اپنے پاس بہت سارے پتھر جمع کئے ہوئے ہے، اور جب وہ تیرنے والا شخص تیرتا ہے جتنا بھی چاہتا ہے، پھر وہ اس

شخص کے پاس آتا ہے جس نے پتھر جمع کر رکھے تھے، اور وہ اپنے منہ کو اس کے سامنے کھولتا ہے، اور وہ اس کے منہ میں ایک پتھر ڈال دیتا ہے، پھر وہ تیرنے لگتا، پھر اس کے پاس آتا، اور جب بھی وہ اس کے پاس آتا، اور اپنے منہ کو کھولتا، تو وہ اس کو پتھر کھلا دیتا۔

آپؐ نے فرمایا میں نے ان سے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے کہا آپ آگے چلتے رہئے۔ آپؐ نے فرمایا چنانچہ ہم لوگ چلتے رہے، یہاں تک کہ ہم ایک بہت ہی بدصورت شخص کے پاس آئے، جتنا بدصورت تم نے کبھی نہیں دیکھا، وہ اس کے قریب آگ ہے، وہ اس کو جلا رہا ہے، اور اس کو بھڑکا رہا ہے، اور اس کے ارد گرد گھوم رہا ہے۔

آپؐ نے فرمایا، میں نے ان سے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے کہا آپ آگے چلئے چنانچہ ہم آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم سرسبز وشاداب باغ کے پاس آئے، جس میں ہر قسم کی بہاریں تھیں، اور اس باغ کے بیچ میں ایک بہت لمبا شخص تھا قریب تھا کہ اس کے سر کو آسمان کی بلندی میں دیکھوں، اور اس کے ارد گرد ایسے بہت سارے بچے تھے جن کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، آپؐ نے فرمایا میں نے ان سے کہا یہ کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا آپ آگے چلئے۔

چنانچہ ہم لوگ چلتے رہے یہاں تک کہ ہم ایک بہت بڑے ایسے باغیچہ میں پہونچے، جس سے بڑا اور خوبصورت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

آپؐ نے فرمایا انہوں نے مجھ سے کہا اس میں داخل ہو جایئے چنانچہ میں اس میں داخل ہوا، آپؐ نے فرمایا ہم اس میں داخل ہو گئے اور ایک سونے اور چاندی کے بنے ہوئے اینٹوں کے شہر کی سمت پہونچے۔

ہم دروازہ پر آئے تو ہم نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا، چنانچہ دروازہ کھولا گیا، ہم اس میں داخل ہوئے، تو ہم انمیں بہت سارے ایسے لوگوں سے ملے،

جس کا نصف حصہ اتنا زیادہ خوبصورت تھا جتنا تم نے نہیں دیکھا ہوگا اور نصف حصہ اتنا زیادہ بدصورت تھا جتنا بدصورت تم نے نہیں دیکھا۔

آپؐ نے فرمایا کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔

آپؐ نے فرمایا کہ وہ نہر چوڑی اور اس کا پانی صاف اور شفاف اور جاری تھا، چنانچہ وہ لوگ گئے، اور نہر میں غوطہ لگایا، پھر وہ ہمارے پاس اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی بدصورتی ختم ہو چکی تھی، اور وہ سب کے سب بہترین شکل وصورت میں تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ انہوں نے مجھ سے کہا یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کا ٹھکانہ ہے، آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اوپر کی جانب نظر اٹھا کر ایک صاف وشفاف بادل کے مانند محل دیکھا۔

آپؐ نے فرمایا انہوں نے مجھ سے کہا یہ آپ کا ٹھکانہ ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا اللہ تمہیں برکت دے، مجھے اس میں داخل ہونے دو، ان دونوں نے کہا ابھی نہیں مگر آپ ہی اس میں داخل ہونگے۔

آپؐ فرماتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ آج کی رات میں نے عجیب غریب چیزیں دیکھیں، تو یہ کیا ہے جو کچھ میں نے دیکھا۔

آپؐ نے فرمایا کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا، عنقریب ہم آپ کو خبر دینگے، جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے، جس کے پاس آپ کو لے جایا گیا اور اس کے سر کو پتھر کے ذریعہ کچلا جا رہا تھا، تو وہ ایسا آدمی ہے، جس نے قرآن کو یاد کیا اور اس کو بھلا دیا، اور فرض نمازوں کو چھوڑتا تھا، اور جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس کے پاس آپ کو لے جایا گیا، اس کے جبڑے، نتھنوں اور آنکھوں کو گدی تک پھاڑا جا رہا تھا، وہ ایسا شخص تھا جو اپنے گھر سے صبح کو نکلتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے جس کے نتیجہ میں مشہور اور معروف ہو جاتا ہے۔

اور جہاں تک ان برہنہ مرد وزن کا تعلق ہے جو ایک تنور نما عمارت میں تھے تو وہ زنا کرنے والے مرد و عورت تھے۔

اور جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس کے پاس آپ کو لے جایا گیا، جو تیر رہا تھا اور اس کو پتھر کھلائے جا رہے تھے تو وہ سود کھانے والا شخص تھا۔

اور جہاں تک اس بدصورت شخص کا تعلق ہے جس کے پاس آگ تھی، اور وہ اس کو جلا رہا تھا اور اس کے ارد گرد گھوم رہا تھا تو وہ جہنم کا داروغہ تھا۔

اور وہ لمبے آدمی جو باغیچہ میں تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے، اور جو بچے ان کے ارد گرد تھے، وہ اپنی فطرت اسلام پر انتقال کرنے والے بچے تھے۔

راوی فرماتے ہیں، بعض صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! مشرکین بھی؟ تو اللہ کے رسول نے فرمایا ہاں اولاد مشرکین بھی۔

اور وہ لوگ جن کا نصف حصہ انتہائی خوبصورت اور نصف حصہ انتہائی بدصورت تھا تو وہ ایسے لوگ تھے جو اچھے عمل بھی کرتے تھے اور برے عمل بھی، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا۔"

اس روایت میں وارد قصہ کو پڑھنے کے بعد اس کا جو خاص فنی عنصر ظاہر ہوتا ہے وہ تشویق ''یعنی شوق کو ابھارنا'' ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کو لے جانے والے فرشتے شخصیات سے پردہ اٹھانے میں کس مہارت کا ثبوت دیتے ہیں، اسی طرح واقعات کو بیان کرنے میں جو تمہید اور توقف ہے وہ اسی تشویق کا حصہ ہے، بلکہ اس پورے قصے سے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہ فرشتے اس خواب کو دیکھنے میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، پڑھنے والا آخر تک نہیں واقف ہوتا کہ آنے والے کون تھے جو رسول کو لے گئے، اور نہ ہی وہ قصے میں بیان کردہ مناظر و مشاہدات کی تفسیر سے واقف ہو پاتا ہے، نبی کریم نے

سوال کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وحشت ہر منظر کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ قصے کے بالکل آخری حصہ میں جا کر ساری وضاحت ہوتی ہے۔

اس قصے میں جو بھی مناظر ذکر کیے گئے گو کہ وہ رمزی ہیں لیکن ان کی دلالت بہت عمیق ومؤثر ہے، چنانچہ آں حضرت ؐ نے جو منظر دیکھا وہ گناہوں اور عالم برزخ میں ان کی معین سزاؤں پر مشتمل ہیں، اور وہ پوری قوت کے ساتھ غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں لیکن ان سب کے کھلی ہوئی حقیقتوں پر مبنی ہونے کے باوجود ان کو بہت ہی عمیق ومؤثر دلالت کے ساتھ اشاروں میں ذکر کیا گیا ہے، پورے قصے میں رسول پاک ؐ گویا ایک راوی ہیں جو قارئین وسامعین کے اور مشاہد عالم غیب کے درمیان ایک واسطہ ہیں، اور پھر ہر کڑی کے تسلسل کے ساتھ اس میں مکالمہ اس طور پر موجود ہے، جس سے قصے کی ہیئت میں ایک زندگی پیدا ہوتی ہے کہ گویا قاری خود اس کا مشاہدہ کر رہا ہو۔

۲۔القصة التاريخيه: (تاریخی قصے):

یہ وہ قصے ہیں جو زمانہ ماضی کے کسی وقوع پذیر واقعہ کو بیان کرتے ہیں، جن کے اشخاص کا وجود حقیقی ہوتا ہے، یہ قصے صورت، زمان ومکان، شخصیات اور ان کو بیان کرنے کی غرض وغایت کے اعتبار سے متنوع ہیں، کتب حدیث میں اس طرح کے متعدد طویل قصے ہیں "بادشاہ، لڑکا، جادوگر اور راہب" (۱۴) کا قصہ "تمیم کعب" کا قصہ (۱۵) "موسیٰ وخضر" (۱۶) کا قصہ، "بنی اسرائیل کے تین لوگوں کی آزمائش" (۱۷) کا قصہ، "اصحاب غار" (۱۸) کا قصہ، "جریج عابد" (۱۹) کا قصہ اور "عورت اور اس کے بیٹے" (۲۰) کا قصہ ہے، یہاں مثال کے طور پر صرف اول الذکر کو نقل کرتے ہیں۔

عن صهيب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "كان ملك فيمن كان قبلكم، وكان له ساحر، فلما كبر قال للملك: إني قد كبرت

فابعث إليّ غلاما أعلمه السحر، فبعث إليه غلاما يعلمه، فكان في طريقه ، إذا سلك، راهب. فقعد إليه وسمع كلامه فأعجبه، وكان إذ أتى الساحر مرّ بالراهب وقعد إليه ، فإذا أتى الساحر ضربه ، فشكا ذلك إلى الراهب فقال:إذا خشيت الساحر فقل: حبسني أهلي. و إذا خشيت أهلك فقل حبسني الساحر.

فبينما هو كذلك إذأتى على دابة عظيمة قدحبست الناس ، فقال: اليوم أعلم الساحر أفضل أم الراهب أفضل . فأخذ حجراً فقال: اللهم إن كان أمر الراهب أحب إليك من أمر الساحر فاقتل هذه الدابة حتى يمضى الناس .فرماها فقتلها، ومضى الناس.

فأتى الراهب فأخبره فقال له الراهب أى بنى، أنت اليوم أفضل منى، قد بلغ من أمرك ماأرى، وإنك ستبتلى ، فإن ابتليت فلاتدل علي.

وكان الغلام يبرى الأكمه والأبرص و يداوى الناس من سائر الأدواء. فسمع جليس للملك كان قد عمى، فأتاه بهدايا كثيرة فقال: ماها هنا لك أجمع إن أنت شفيتنى.

فقال : إنى لاأشفى أحداً ، إنما يشفى الله تعالى ، فإن آمنت بالله دعوت الله فشفاك .فآمن بالله، فشفاه الله . فأتى الملك فجلس إليه كما كان يجلس . فقال له الملك :من رد عليك بصرك؟ قال. ربى ، قال : ولك رب غيرى؟ قال: ربى وربك الله.

فأخذه فلم يزل يعذبه حتى دل على الغلام، فجيء بالغلام فقال له الملك : أى بنى ، قد بلغ من سحرك ماتبرىء الأكمه و الأبرص، و تفعل

و تفعل .فقال: إني لا أشفي أحداً، إنما يشفي الله تعالى.

فلم يزل يعذبه حتى دلّ على الراهب، فجيء بالراهب فقيل له: ارجع عن دينك .فأبى، فدعا بالمنشار، فوضع المنشار في مفرق رأسه فشقه حتى وقع شقاه. ثم جيء بجليس الملك فقيل له : ارجع عن دينك . فأبى ، فوضع المنشار في مفرق رأسه. فشقه به حتى وقع شقاه.

ثم جيء بالغلام فقيل له:ارجع عن دينك . فأبى ، فدفعه إلى نفر من أصحابه فقال: اذهبوا به إلى جبل كذاو كذا . فاصعدوا به الجبل، فإذا بلغتم ذ روته، فإن رجع عن دينه، وإلا فاطرحوه .

فذهبوا به إلى الجبل ، فصعدوا به الجبل فقال. اللهم اكفنيهم بماشئت .فرجف بهم الجبل فسقطوا ، وجاء يمشي إلى الملك . فقال الملك :مافعل أصحابك؟

فقال: كفانيهم الله تعالى.

فدفعه إلى نفرمن أصحابه فقال: اذهبوا به فاحملوه في قرقور، فتوسطوا به البحر ، فإن رجع عن دينه ، و إلا فاقذفوه .

فذهبوا به فقال: اللهم اكفنيهم بما شئت .

فانكفأت بهم السفينة ، فغرقوا، وجاء يمشي إلى الملك . فقال له الملك : مافعل أصحابك ؟ قال : كفانيهم الله . فقال للملك : إنك لست بقاتلي حتى تفعل ماآمرك به. قال: وماهو؟

قال. تجمع الناس في صعيد واحد، و تصلبني على جذع ،ثم خذ سهما من كنانتي .ثم ضع السهم في كبد القوس ، ثم قل :باسم الله رب

الغلام، ثم ارمني فانك إذا فعلت ذلك قتلتني .

فجمع الناس في صعيد واحد وصلبه على جذع، ثم أخذ سهما من كنانته، ثم وضع السهم في كبد القوس، ثم قال: باسم الله رب الغلام. ثم رماه، فوقع في صدغه. فوضع يده في صدغه في موضع السهم فمات. فقال الناس: آمنا برب الغلام، آمنا برب الغلام، آمنا برب الغلام. فأتي الملك فقيل له: أرأيت ما كنت تحذر. قد والله نزل بك حذرك. قد آمن الناس. فأمر بالأخدود في أفواه السكك فخدت. وأضرم النيران. وقال من لم يرجع عن دينه فأحموه فيه - أو قيل له اقتحم - ففعلوا، حتى جاءت امرأة ومعها صبي لها، فتقاعست أن تقع فيها، فقال لها الغلام: يا أمه، اصبري فإنك على الحق. (٢١)

ترجمہ ''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پچھلی امتوں میں ایک بادشاہ تھا، اور اس کا ایک جادوگر تھا، جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، ایک بچہ میرے سپرد کر دو تا کہ میں اسے یہ جادو کا علم سکھا دوں، چنانچہ بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکا بھیجنا شروع کر دیا، جس کو وہ جادو سکھاتا، اور راستے میں ایک پادری کا بھی ٹھکانہ تھا وہ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو پادری کے پاس بھی بیٹھ جاتا، اسے اس کی باتیں اچھی لگتیں اور جب بھی وہ جادوگر کے پاس جاتا تو گذرتے ہوئے راہب کے پاس بیٹھ جاتا، جب وہ جادوگر کے پاس آتا تو (تاخیر کے سبب) وہ اس کو مارتا، تو اس نے راہب سے شکایت کی، راہب نے اس سے کہا جب تمہیں جادوگر سے (مار کا) ڈر ہو تو یہ کہہ دیا کرو کہ مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا، اور جب گھر والوں سے ڈر ہو تو

کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔

چنانچہ اسی طرح ہوتا رہا کہ اچانک ایک دن راستے میں ایک بڑا جانور دیکھا جس نے لوگوں کا راستہ روک لیا تھا لڑکے نے کہا آج معلوم ہو جائے گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب، اس نے ایک پتھر کو اٹھا کر کہا اے اللہ اگر تیرے نزدیک راہب کا معاملہ زیادہ محبوب ہے جادوگر کے مقابلہ میں تو اس جانور کو ہلاک کر دے، تاکہ راستہ کھل جائے اور لوگ گذر جائیں، چنانچہ پتھر جانور کے مارا، جس سے وہ ہلاک ہو گیا اور لوگ گذر گئے۔

وہ لڑکا راہب کے پاس آیا، اور اسے یہ سارا واقعہ بتایا راہب نے اس سے کہا، اے میرے بیٹے آج تم مجھ سے افضل ہو، اور تمہارا معاملہ جہاں تک پہنچ گیا ہے، وہاں تک میں دیکھ رہا ہوں، عنقریب تم کو آزمایا جائے گا، پس جب تم کو آزمایا جائے تو میری بابت لوگوں کو نہ بتانا۔

یہ لڑکا مادرزاد اندھے، اور کوڑھی کو (اللہ کے حکم سے) صحیح کر دیتا، اور دیگر تمام بیماریوں کا علاج کرتا، بادشاہ کا بھی ایک ہمنشین اندھا ہو گیا تھا، اس نے جب سنا تو وہ بہت سارے ہدایے، تحائف لے کر لڑکے کے پاس آیا اور اس سے کہا اگر تم مجھے شفا دے دو تو یہ سارے ہدایا جو یہاں میں اپنے ساتھ لایا ہوں تمہارے لئے ہیں۔

تو اس لڑکے نے کہا میں کسی کو شفا نہیں دیتا ہوں، بیشک شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے، اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہارے حق میں دعا کروں گا کہ تم کو بھی اللہ تعالیٰ شفا دے دے، چنانچہ وہ اللہ پر ایمان لے آیا، اللہ نے اس کو شفا عطا فرما دی، وہ ٹھیک ہونے کے بعد بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا، جیسے پہلے بیٹھا کرتا تھا، بادشاہ نے اس کو دیکھا تو اس سے کہا تمہاری بینائی کس نے واپس کی؟ اس نے کہا میرے رب نے، بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے

کہا ''میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے اس کو گرفتار کرلیا، اور مسلسل اس کو سزائیں دیتا رہا، یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا ٹھکانہ بتادیا۔ چنانچہ لڑکے کو لایا گیا، بادشاہ نے اس سے کہا، ''اے لڑکے تیرے جادو کا کمال اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ تو مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتا ہے، اور بھی فلاں فلاں کام کرلیتا ہے، لڑکے نے کہا میں کسی کو شفا نہیں دیتا ہوں، بے شک شفا تو اللہ تعالٰی دیتا ہے۔

تو بادشاہ نے اس کو بھی مسلسل سزائیں دیں، یہاں تک کہ اس نے بھی راہب کا پتہ بتادیا۔

لہٰذا راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ، اس نے انکار کردیا، بادشاہ نے آرا منگایا، اور آرے کو اس کے سر کے درمیان میں رکھ، اور اس کو چیر ڈالا، جس سے اس کے سر کے دو ٹکڑے ہوگئے، پھر بادشاہ کے ہم نشین کو لایا گیا، اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ، اس نے انکار کردیا تو آرا اس کے سر کے درمیان رکھا، اور اس کو بھی چیر ڈالا، یہاں تک کہ اس کے بھی دو ٹکڑے ہوگئے۔

پھر بچہ کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ، اس نے انکار کردیا، تو بادشاہ نے اس کو چند آدمیوں کے حوالہ کیا اور کہا کہ اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ، اور اس پر اسے چڑھاؤ، اور جب اس کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو (اس کے دین کے بابت سوال کرنا) اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اس کو پھینک دینا۔

چنانچہ وہ اس لڑکے کو لے کر گئے اور پہاڑ پر چڑھے، تو لڑکے نے دعا کی کہ اے اللہ تو ان کے مقابلہ میں جس طرح اور جسے تو چاہے ان کے لئے کافی ہو جا، چنانچہ پہاڑ لرزا جس سے وہ سب نیچے گر گئے، اور لڑکا بادشاہ کے پاس آیا، بادشاہ نے

کہا تمہارے ساتھیوں کا کیا ہوا؟

لڑکے نے کہا ان کے لئے میری جانب سے میرا اللہ کافی ہو گیا۔

پھر بادشاہ نے اس کو اپنی ایک خاص جماعت کے حوالے کیا اور یہ کہا اس کو لے کر جاؤ، کشتی میں سوار کرنا، اور بیچ سمندر میں جا کر اس سے پوچھنا، اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو سمندر میں ڈال دینا۔

چنانچہ وہ لوگ اس کو لے کر گئے، لڑکے نے کہا اے اللہ تو ان کے مقابلہ میں جیسے چاہے میرے لیے کافی ہو جا۔

لہٰذا کشتی ان کو لے کر الٹ گئی، اور وہ سب کے سب پانی میں ڈوب گئے، اور لڑکا بادشاہ کے پاس آیا، بادشاہ نے اس سے کہا تمہارے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ لڑکے نے کہا میرا اللہ ان کے مقابلہ میں مجھے کافی ہو گیا، پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا مجھے اس وقت تک قتل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم وہ طریقہ نہ اختیار کرو جو میں تمہیں بتاؤں، بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے؟

لڑکے نے کہا تم تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو، اور مجھ کو سولی دینے کے لیے ایک درخت کے تنہ پر لٹکاؤ، پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکالو، اسے کمان کے بیچ میں رکھو، پھر یہ الفاظ پڑھ کر "بسم اللہ رب الغلام" ترجمہ "اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے" مجھے مارو، جب تم اس طرح کرو گے تو مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا، اور لڑکے کو ایک تنے پر لٹکا دیا، پھر اس کے ترکش سے ایک تیر نکالا، پھر اس کو کمان کے بیچ میں رکھا، پھر کہا (بسم اللہ رب الغلام) پھر اس کو تیر مار دیا، تو تیر اس کی کنپٹی میں لگا، تو اس نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر رکھا، اور اس کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے کہا ہم ایمان لائے بچے کے رب

پر، تین مرتبہ کہا۔ چنانچہ بادشاہ سے کہا گیا کیا آپ نے وہ چیز نہیں دیکھی جس سے آپ ڈرتے تھے، واللہ وہی ہوا جس سے آپ ڈرتے تھے، لوگ ایمان لا چکے ہیں۔

چنانچہ بادشاہ نے شاہراہوں پر خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودی گئی، اور اس میں آگ بھڑکائی گئی، اور بادشاہ نے حکم دیا جو اپنے دین سے نہ پھرے اس کو اس میں ڈال دو، یا اس سے کہا اس میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کا ایک بچہ تھا، تو وہ اس میں کودنے سے ہچکچائی، اس کے بچے نے اس سے کہا، اے میری ماں تو صبر کر، بیشک تو حق پر ہے۔

اس قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ شخصیات متعدد ہیں، احداث میں بھی تنوع ہے، اس کے وقوع کے مقامات اور زمان میں بھی وسعت ہے، اور اس میں اسلوب قصصی کے مطابق پلاٹ کی وہ کشش موجود ہے جو قاری کو واقعات کی حقیقت اور خاتمہ جاننے تک تسلسل باقی رکھنے پر مجبور کرتی ہے، یہ صحیح ہے کہ کہا جا سکتا ہے ایک حقیقی واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اس کو بغیر جاذبیت و کشش کے محض ایک خشک خبر بنا کر نہیں پیش کیا گیا، اس کا جمالیاتی پہلو شخصیات کو پیش کرنے کے اسلوب میں مضمر ہے، جس کو صاحب نظر اور صاحب فن نے محسوس کیا ہوگا۔ اس طرح آپؐ نے اس کے وقوع کے مکان کی تحدید نہیں کی اور نہ ہی آپؐ نے اس کے زمانہ کی تعیین کی، کہ یہ واقعہ کس زمانہ میں ہوا، بس آپؐ نے فرمایا ''تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا'' اس جملے سے آپؐ نے یہ تو بتا دیا کہ یہ واقعہ پہلے ہوا ہے لیکن کب ہوا؟ اور کہاں ہوا؟ اب ان سوالات کی ضرورت نہیں رہی، اس لیے کہ قصص نبوی کے مقاصد میں تاریخ نویسی شامل نہیں وہ دعوت اسلامی کی تاریخ میں پیش آنے والے مشاہد کو بیان کرتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ قصہ اس میں پورے طور پر کامیاب ہے

ایک طرف تو وہ جبر وظلم اور سرکشی کی تصویر پیش کرتا ہے اور دوسری طرف ایمان اور اس پر ثابت قدمی کا نمونہ پیش کرتا ہے، قصہ کی بر کڑی ایک دردناک انجام پر ختم ہوتی ہے، لیکن یہ غمناک اختتام یاس وقنوطیت کے بجائے حق پر ثابت قدم رہنے کے جذبہ کو فروغ دیتا ہے، اور آزمائش پر صبر کو ایک مہتم باشان امر بنا کر پیش کرتا ہے، قصہ کے اختتام پر عورت کا جو موقف بیان کیا گیا اور جو تصویر کشی کی گئی کہ اس نے اپنے بچے کے ساتھ آگ میں کود پڑنے کو ترجیح دی، اس سے دعوتی سفر اور مومنانہ طریق کے مزاج کی بھرپور وضاحت ہوتی ہے کہ حق اور صبر دونوں لازم وملزوم ہیں۔

تعمیر کعبہ کا قصہ اس قبیل کا دوسرا قصہ ہے۔

قال ابن عباس: "أول ما اتخذ النساء المنطق من قبل أم إسماعيل، اتخذت منطقاً لتعفى أثرها على سارة . ثم جاء بها إبراهيم وبابنها إسماعيل - وهي ترضعه - حتى وضعها عند البيت ، عند دوحة فوق زمزم، في أعلى المسجد، وليس بمكة يومئذ أحد، وليس بها ماء، فوضعهما هنالك، ووضع عندهما جراباً فيه تمر، وسقاءً فيه ماء . ثم قفى إبراهيم منطلقاً، فتبعته أم إسماعيل فقالت: ياإبراهيم ، أين تذهب وتتركنا بهذا الوادي الذي ليس فيه إنس ولا شيئ ؟ فقالت ذلك مراراً ، وجعل لايلتفت إليها ، فقالت له، آلله أمرك بهذا؟

قال : نعم . قالت:إذن لا يضيعنا. ثم رجعت.

فانطلق إبراهيم حتى إذا كان عند الثنية، حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت، ثم دعا بهؤلاء الكلمات ورفع يديه فقال:"ربنا إني أسكنت من ذريتي بواد غير ذي زرع - حتى بلغ- يشكرون" (۲۲)وجعلت أم

إسماعيل ترضع إسماعيل، وتشرب من ذلك الماء، حتى إذا نفد مافى السقاء عطشت وعطش ابنها، وجعلت تنظر إليه يتلوى (أوقال :يتلبط) فانطلقت كراهية أن تنظر إليه، فوجدت الصفا أقرب جبل فى الأرض يليها، فقامت عليه ثم استقبلت الوادى تنظر هل ترى أحداً ، فلم تر أحداً، فهبطت من الصفا حتى إذا بلغت الوادى تنظر رفعت طرف درعها، ثم سعت سعى الإنسان المجهود حتى جاوزت الوادى، ثم أتت المروة فقامت عليها، فنظرت هل ترى أحداً ، فلم تر أحداً، ففعلت ذلك سبع مرات.

قال ابن عباس: قال النبى صلى الله عليه وسلم "فذلك سعى الناس بينهما"

فلما أشرفت على المروة سمعت صوتا فقالت: صه - تريد نفسها-ثم تسمعت أيضاً فقالت : قد أسمعت إن كان عندك غواث .

فإذا هى بالملك عند موضع زمزم، فبحث بعقبه (أوقال بجناحه) حتى ظهر الماء فجعلت تحوضه ، وتقول بيدها هكذا، وجعلت تغرف من الماء فى سقائها، وهو يفور بعد ما تغرف.

قال ابن عباس :قال النبى صلى الله عليه وسلم ، "يرحم الله أم إسماعيل ، لوتركت زمزم (أو قال:لولم تغرف من الماء) لكانت زمزم عيناً معيناً"

قال: فشربت وأرضعت ولدها، فقال لها الملك: لا تخافوا الضيعة، فإن هاهنا بيت الله ، يبنى هذا الغلام وأبوه. وإن الله لا يضيع أهله.

وكان البيت مرتفعاً من الأرض كالرابية، تأتيه السيول فتأخذ عن يمينه وشماله، فكانت كذلك حتى مرت بهم رفقة من جرهم (أوأهل بيت من جرهم)مقبلين من طريق كداء، فنزلوا فى أسفل مكة، فرأوا طائراً عائفاً،

فقالوا: إن هذا الطائر ليدور على ماء، لعهدنا بهذا الوادى ومافيه ماء.

فأرسلوا جريًا أو جريين، فإذا هم بالماء، فرجعو فأخبروهم بالماء، فأقبلوا (قال: وأم اسماعيل عند الماء)فقالوا أتأذنين أن ننزل عندك؟

فقالت: نعم، ولكن لا حق لكم فى الماء. قالوا: نعم.

قال ابن عباس: قال النبى صلى الله عليه وسلم: "فألفى ذلك أم اسماعيل وهى تحب الإنس"

فنزلوا و أرسلوا إلى أهليهم فنزلوا معهم، حتى إذا كان بها أهل أبيات منهم، وشب الغلام، وتعلم العربية منهم، و أنفسهم، و أعجبهم حين شب، فلما أدرك زوجوه امرأة منهم. وماتت أم إسماعيل. فجاء إبراهيم بعدما تزوج إسماعيل يطالع تركته، فلم يجد إسماعيل، فسأل امرأته عنه فقالت: خرج يبتغى لنا. ثم سألها عن عيشهم فقالت: نحن بشر، نحن فى ضيق وشدة، فشكت إليه.

قال: فإذا جاء زوجك فاقرئى عليه السلام، وقولى له يغير عتبة بابه. فلما جاء إسماعيل كأنه آنس شيئاً فقال: هل جاءكم من أحد؟

قالت: نعم، جاءنا شيخ كذا كذا، فسألنا عنك، فأخبرته، وسألنى كيف عيشنا فأخبرته أنا فى جهد وشدة.

قال: فهل أوصاك بشيء؟ قالت: نعم، أمرنى أن أقرأ عليك السلام، ويقول لك: غيّر عتبة بابك.

قال: ذاك أبى، وقد أمرنى أن أفارقك، الحقى بأهلك.

فطلقها. و تزوج منهم أخرى. فلبث عنهم إبراهيم ماشاء الله، ثم أتا

هم بعد، فلم يجده . فدخل على امرأته ، فسألها عنه فقالت: خرج يبتغي لنا.

قال: كيف أنتم : وسألها عن عيشهم وهيئتهم فقالت: نحن بخير وسعة و أثنت على الله ، فقال: ماطعامكم؟ قالت: اللحم، قال: فما شرابكم؟ قالت: الماء، قال: اللهم بارك لهم في اللحم و الماء .

قال النبي صلى الله عليه وسلم . ولم يكن لهم يومئذ حب، ولو كان لهم دعا لهم فيه.

قال: فهما لا يخلو عليهما أحد بغير مكة إلا لم يوافقاه.

قال: فإذا جاء زوجك فاقرئي عليه السلام، ومريه يثبت عتبة بابه. فلما جاء إسماعيل قال: هل أتاكم من أحد؟ قالت: نعم أتانا شيخ حسن الهيئة - وأثنت عليه- فسألني عنك فأخبرته، فسألني كيف عيشنا فأخبرته أنا بخير .قال : فأوصاك بشيء ؟ قالت! نعم ،هو يقرأ عليك السلام ،ويأمرك أن تثبت عتبة بابك قال: ذاك أبي ، وأنت العتبة، أمرني أن أمسكك.

ثم لبث عنهم ماشاء الله ، ثم جاء بعد ذلك، و إسماعيل يبري نبلاً تحت دوحة قريبا من زمزم ، فلما رآه قام إليه، فصنعا كما يصنع الوالد با لولد،والولد بالوالد، ثم قال: يا إسماعيل إن الله أمرني بأمر . قال: فاصنع ماأمرك ربك .

قال : وتعينني؟ قال: و أعينك.

قال : فإن الله أمرني أن أبني هاهنا بيتاً ، و أشار إلى أكمة مرتفعة على ماحولها.

قال : فعند ذلك رفعا القواعد من البيت ، فجعل إسماعيل يأتي

بالحجارة، و إبراهيم يبني . حتى إذا ارتفع البناء جاء بهذاالحجر فوضعه له، فقام عليه وهو يبني ، وإسماعيل يناوله الحجارة ، وهما يقولان :"ربنا تقبل منـا إنك أنت السميع العليم "(۲۳)قال: فجعلا يدوران حول البيت وهما يقولان :"ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم "(٢٤)

ترجمہ.''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں نے کمر میں پٹہ باندھا، ان کی غرض یہ تھی کہ سارہ علیہا السلام ان کا سراغ نہ پائیں. حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی بیوی اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو (مکہ) لیکر آئے. ہاجرہ علیہا السلام ان کو دودھ پلاتی تھیں، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ان دونوں کو ایک بڑے حوض کے نیچے بٹھادیا، جو اس مقام پر تھا جہاں اب زمزم ہے، مسجد کے اوپری جانب میں، مکہ میں اس وقت آدمی کا نام ونشان نہ تھا، اور نہ پانی موجود تھا، بہرحال ابراھیم علیہ السلام ان دونوں کو وہاں چھوڑا، اور کھجور کا ایک تھیلہ اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر واپس جانے لگے، حضرت ہاجرہ نے ان کا پیچھا کیا، اور کہنے لگیں اے ابراھیم علیہ السلام آپ کہاں جارہے ہیں ہم کو اس بے آب وگیاہ میں چھوڑ کر جہاں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی چیز ملتی ہے. کئی بار پکار پکار کر کہا. لیکن ابراھیم علیہ السلام نے ان کی طرف توجہ نہیں دی، پھر حضرت ہاجرہ نے کہا کیا اللہ نے آپ کو حکم اس کا دیا ہے؟

حضرت ابراھیم نے فرمایا ہاں! پھر حضرت ہاجرہ نے فرمایا تب تو ہمارا رب ہمیں ضائع نہیں کرے گا، یہ کہہ کر واپس چلی گئیں۔

ابراھیم علیہ السلام آگے بڑھ گئے، یہاں تک کہ اس پہاڑی پر پہنچے جہاں سے وہ دکھائی نہیں پڑتے تھے، تو بیت اللہ کا رخ کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی

"اے ہمارے پروردگار بیشک میں اپنے اہل وعیال کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں ہے آباد کرتا ہوں، اے ہمارے رب تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام کریں، تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ شکر کریں۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں اور خود پانی پیتی تھیں، یہاں تک کہ مشکیزہ کا تمام پانی ختم ہو گیا، چنانچہ حضرت ہاجرہؑ اور اسماعیلؑ کو پیاس لگی، حضرت ہاجرہ اپنے لخت جگر کو دیکھتیں کہ وہ بیٹے زمین پر پاؤں رگڑ رہا ہے یا تڑپ رہا ہے، تو وہ وہاں سے ہٹ جاتیں تاکہ بچہ کا حال نہ دیکھ پائیں، صفا پہاڑ سب سے قریب ہے، اس لئے اس پر پہنچ جاتیں، انھیں کوئی نظر نہیں آتا، پھر صفا سے اتر کر وادی میں آتیں، اور اپنا دامن سمیٹ کر وادی میں اس طرح دوڑتیں جیسے کوئی مصیبت زدہ دوڑتا ہے، پھر وادی کو پار کر کے مروہ پہاڑ پر پہنچتیں وہاں پر بھی کوئی دکھائی نہیں دیتا، یہ عمل انھوں نے سات مرتبہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسی وقت سے لوگوں نے ان دونوں پہاڑوں کی سعی کرنی شروع کی ہے۔"

خیر وہ جب مروہ پہاڑ پر چڑھیں تو انھوں نے ایک آواز سنی، تو اپنے آپ کو خاموش کر لیا، کان لگا کر وہی آواز سنی، وہ اس وقت پکار اٹھیں میں نے تیری آواز سنی تو ہماری مدد کر سکتا ہے۔

پھر آب زمزم کے پاس ایک فرشتہ کو دیکھا، اس نے اپنے پر مار کر زمین کو کھود، اور پانی نکل آیا، حضرت ہاجرہؑ حوض کی طرح اس کو بنانے لگیں، اور اپنے ہاتھ سے اس کے گرد منڈیر بنانے لگیں، اپنے دونوں ہاتھوں سے پانی اپنے مشکیزہ میں

بھرنے لگیں، پانی چلو سے لینے کے باوجود بھی زمین سے نکل رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ رحم کرے ام اسماعیل پر اگر وہ زمزم کو چھوڑ دیتیں، یا چلو بھر کر نہ لیتیں تو زمزم ایک جاری وساری چشمہ ہو جاتا۔''

حضرت ہاجرہؑ نے پانی پیا، اور حضرت اسماعیلؑ کو بھی پلایا، ان سے فرشتہ نے کہا، آپ ضائع ہونے سے مت ڈریئے، بیشک یہاں پر اللہ کا گھر ہوگا، جس کو یہ بچہ اور اس کے والد تعمیر کریں گے، بیشک اللہ تعالی اپنے گھر والوں کو ضائع نہیں کرتا۔

اللہ کا وہ گھر زمین میں اونچی جگہ پر تھا ٹیلہ کی مانند، دائیں بائیں سے بارش کا پانی نکل جاتا ہے، حضرت ہاجرہؑ نے ایک مدت اسی طرح گذاری، یہاں تک کہ قبیلۂ جرہم کے کچھ لوگ یا ان کے گھر والے کداء کے راستہ سے آرہے تھے، چنانچہ ادھر سے گذر ہوا، تو وہ مکہ کے نشیب میں ٹھہرے تو وہاں ایک پرندہ کو اڑتے ہوئے دیکھا، قبیلہ والوں نے کہا بیشک یہ پرندہ پانی پر چکر لگا رہا ہے، ہم اس وادی سے واقف ہیں یہاں پانی ہے۔

لہذا انھوں نے ایک دو قاصدوں کو بھیجا انھوں نے پانی کو تلاش کر لیا، وہ واپس لوٹے اور ان کو پانی کی خبر دی، چنانچہ قبیلہ والے پانی کے پاس آئے، اور حضرت ہاجرہؑ پانی کے قریب ہی تھیں قبیلہ والوں نے وہاں ٹھہرنے کی اجازت چاہی، حضرت ہاجرہؑ نے اجازت دے دی۔ اور کہا اس پانی پر تمہارا کوئی ملکانہ حق نہیں ہوگا، ان لوگوں نے کہا ''ہاں! حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جرہم کے لوگوں نے ایسے وقت اجازت مانگی جب خود اسماعیلؑ کی والدہ یہ چاہتی تھیں کہ یہاں بستی آباد ہو''

خیر قبیلۂ جرہم کے لوگ وہاں اترے اور ان کے ساتھ ان کے اہل وعیال

بھی اترے، جب مکہ میں کئی گھر بن گئے، اور اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے، اور عربی زبان قبیلہ جرہم کے لوگوں سے سیکھی اور جوان ہو کر ان کی نگاہ میں اچھے ہوئے، قبیلہ جرہم کے لوگ ان سے محبت کرنے لگے، اور اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کرادی، ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کا انتقال ہو گیا، جب اسماعیلؑ کی شادی ہو چکی تو ابراہیمؑ اپنے اہل وعیال کو دیکھنے آئے، حضرت اسمٰعیلؑ اس وقت اپنے گھر میں نہ تھے، انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا اسمٰعیل کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا روزی کی تلاش میں گئے ہیں، ابراہیمؑ نے پوچھی تمہار گذر کیسے ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بہت زیادہ تنگی ہے؟ انہوں نے خوب شکایت کی؟ حضرت ابراھیمؑ نے فرمایا جب تمہارے شوہر آجائیں تو ان کو میرا اسلام کہہ دیں، اور ان سے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔

حضرت ابراہیمؑ روانہ ہوگئے، جب اسمٰعیلؑ گھر تشریف لائے، تو انہوں نے کچھ محسوس کیا اور کہا ”کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا ہاں ایک بزرگ آئے تھے، انہوں نے آپ کے تعلق سے سوال کیا، تو میں نے ان کو بتادیا، پھر انہوں نے ہماری زندگی کے متعلق سوال کیا، تو میں نے ان کو بتادیا کہ ہم لوگ بڑی مشقت اور بڑی پریشانی میں ہیں۔“

حضرت اسمٰعیلؑ نے کہا کیا انہوں نے تمہیں کسی چیز کی وصیت بھی کی تھی؟ بیوی نے کہا ہاں، انہوں نے حکم دیا کہ میں آپ کو سلام کہہ دوں، اور یہ بھی کہا کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو تبدیل کردیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا وہ میرے والد تھے انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے سے جدا کردوں، لہذا تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

حضرت اسماعیل نے ان کو طلاق دے دی، اور اسی قبیلہ کی دوسری لڑکی سے شادی کر لی، ابراہیمؑ اس وقت تک ٹھہرے رہے جب تک اللہ نے چاہا، پھر ایک زمانہ کے بعد تشریف لائے، تو حضرت اسماعیل گھر پر موجود نہیں تھے، لہذا ان کی بیوی کے پاس گئے، اور ان سے حضرت اسماعیل کے متعلق سوال کیا، ان کی اہلیہ نے کہا روزی کی تلاش میں نکلے ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا، تم کیسے زندگی گذار رہی ہو؟ ان کی اہلیہ نے جواب دیا ہم لوگ خیر وعافیت سے ہیں، اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔

حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا تمہارا کھانا کیا ہے؟ اہلیہ نے جواب دیا ''گوشت''۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا تمہارا پینا کیا ہے؟ اہلیہ نے جواب دیا ''پانی''

حضرت ابراہیمؑ نے دعا دی اور کہا ''اے اللہ ان لوگوں کے لئے گوشت اور پانی میں برکت دے''

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حالانکہ اس وقت ان کے پاس ایک دانہ بھی نہ تھا، اگر چہ حضرت ابراہیمؑ نے ان کے لئے اس میں برکت کی دعا کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان دونوں کی محبت میں مکہ میں ہر چیز فراوانی سے پائی جاتی ہے، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا جب تمہارے شوہر آجائیں تو تم ان کو میرا سلام کہنا اور ان کو حکم دینا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ برقرار رکھیں۔

جب اسماعیلؑ تشریف لائے تو اپنی بیوی سے کہا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ ان کی بیوی نے جواب دیا ہاں! ایک اچھی شکل وصورت والے بزرگ آئے تھے، اور ان کی خوب تعریف کی، انہوں نے مجھ سے آپ کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو جواب دے دیا، پھر انھوں نے سوال کیا کہ ہماری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ تو

میں نے ان کو بتا دیا کہ ہم لوگ خیر و عافیت سے ہیں، حضرت اسماعیلؑ نے اپنی بیوی سے پوچھ کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی؟ انہوں نے کہا ہاں؟ انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے؟ اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو برقرار رہنے دیں، حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا وہ میرے والد تھے، اور چوکھٹ تم ہو، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس رکھوں۔

پھر حضرت ابراہیمؑ ٹھہرے رہے جتنا اللہ نے چاہا، پھر ایک مدت کے بعد تشریف لائے، تو اسماعیلؑ زمزم کے قریب درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر درست کر رہے تھے، تو جب انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا، تو ان کی جانب بڑھے اور پھر اس طرح کیا جس طرح ایک باپ بیٹے کے ساتھ کرتا ہے، اور بیٹا باپ کے ساتھ پیش آتا ہے، پھر حضرت ابراہیمؑ نے کہا: اے اسماعیلؑ مجھے اللہ نے ایک کام کا حکم دیا ہے، حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا آپ کے رب نے جو آپ کو حکم دیا ہے، اس کو کر ڈالیے۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا کیا تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسماعیلؑ نے کہا میں بالکل کروں گا۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے یہاں مجھے ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے، اور اونچے ٹیلہ اور اس کے اردگرد کی جانب اشارہ کیا۔"

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان دونوں نے بیت اللہ کی دیواروں کو اٹھایا، اسماعیلؑ پتھر لا رہے تھے اور ابراہیمؑ تعمیر کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو ایک پتھر کو حضرت ابراہیمؑ کے لئے لا کر رکھ دیا، اور ابراہیمؑ اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے، اور اسماعیلؑ ان کو پتھر دیتے جا رہے تھے، اور وہ دونوں یہ دعا کر رہے تھے "اے ہمارے پروردگار ہماری جانب سے اس کو قبول

فرما، بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے"

یہ قصہ اپنے حجم کے اعتبار سے طویل مدت کا بھی احاطہ کرتا ہے کیونکہ قصہ کی ابتدا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسماعیلؑ ایک شیر خوار طفل ہیں، لیکن اختتام تک وہ جوان ہو چکے ہیں اور شادی بھی ہو چکی ہے، اس قصہ میں تسلیم و رضا کا عجیب جذبہ موجزن ہے کہ ایک انسان اس جذبۂ تسلیم و رضا سے مجبور ہو کر محض حکم الٰہی کے سبب اپنے جگر گوشہ اور رفیقۂ حیات کو ایک بے آب و گیاہ میں چھوڑ دیتا ہے جہاں نہ کسی جلیس کا سہارا ہوتا اور نہ کسی انیس کی توقع، اور اس وقت تو حیرت و استعجاب کی انتہا نہیں رہ جاتی جب ایک عورت بھی تسلیم و رضا کا پیکر بن کر اس حکم پر سر تسلیم خم کر دیتی ہے، اسی طرح یہ قصہ مکہ کی آبادی اور تعمیر کعبہ کے حالات بیان کرتا ہے، ایجاز کو ابتدا سے ہی اس میں ملحوظ رکھا گیا ہے، اسی لیے غیر مقصود اجزاء کو نہیں چھیڑا گیا ہے البتہ ایسے اشارے ضرور ہیں جن سے ان پہلوؤں پر روشنی پڑ جائے، اسی طرح قصہ میں زمانہ وقوع کو نہیں بیان کیا گیا البتہ جو مقصود تھا یعنی مکان اس کی متعدد تفصیلات مثلاً زمزم، بیت وغیرہ کو بھی بیان کیا گیا۔

۳۔القصص الغیبیہ (غیبی قصے)

اس قسم میں ہر وہ قصہ شامل ہوگا جو انسانی قدرت اور اس کے حواس کے ذریعہ ادراک سے باہر ہو، یا جو مستقبل میں رونما ہونے والا ہو، اور اس پر انسان مطلع نہ ہو سکتا ہو، ممکن ہے کہ ذہن میں یہ سوال آئے کہ پھر قصہ اسراء و معراج اور قصہ "رؤیا و الملکین" کو اس ضمن میں کیوں نہیں رکھا گیا، تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ واقعات رونما تو عالم غیب میں ہوئے لیکن عالم شہادت میں سے ایک فرد نے اس کا مشاہدہ کیا اور پھر ذاتی سرگذشت و مشاہدات کے طور پر دنیا کو اس کی خبر دی۔

غیبی قصوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

الف: مستقبل میں پیش آنے والے واقعات (قصص المستقبل)

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو مستقبل کے بارے میں بسا اوقات کوئی خبر دی جو صرف خبر کے طور پر ہی رہی، اور کبھی خبر منظر کے طور پر بیان کی، اور کبھی ان ہی مستقبل کے واقعات کا بیان قصہ کی شکل میں ہے، اس قبیل کے قصے واقعات کے اعتبار سے متعدد ہیں جن کی شخصیت بھی متنوع ہیں لیکن ان میں وہ تسلسل ہے جو قاری کو اختتام تک پڑھنے کا شوق دلاتا ہے۔

مثلاً اس قبیل کا قصہ "قصہ دجال" ہے جو متعدد روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

عن النواس بن سمعان قال:"ذكر لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الدجال ذات غداة فخفض فيه و رفع، حتى ظنناه في طائفة النخل. فلما رحنا إليه عرف ذلك فينا فقال:ماشأنكم؟ قلنا : يارسول الله، ذكرت الدجال غداة، فخفضت فيه ورفعت حتى ظنناه في طائفة النخل. فقال: غير الدجال أخوفني عليكم، إن يخرج وأنا فيكم فأنا حجيجه دونكم، و إن يخرج ولست. فيكم فامرؤ حجيج نفسه، والله خليفتي على كل مسلم، إنه شاب قطط عينه طافية، كأني أشبهه بعبد العزى بن قطن، فمن أدركه منكم فليقرأ عليه فواتح سورة الكهف. إنه خارج خلة بين الشام و العراق، فعاث يميناً،و عاث شمالا ،ياعباد الله فاثبتوا.

قلنا: يارسول الله، وما لبثه في الأرض ؟ قال: أربعون يوماً، يوم كسنة، ويوم كشهر، ويوم كجمعة، وسائر أيامه كأيامكم.

قلنا: يارسول الله، فذلك اليوم الذي كسنة، أتكفينا فيه صلاة اليوم ؟

قال: لا ، اقدروا له قدره .

قلنا: يارسول الله ، وما إسراعه في الأرض؟ قال: كالغيث استدبرته الريح، فيأتي القوم فيدعوهم فيؤ مون به، ويستجيبون له، فيأمر السماء فتمطر، و الأرض فتنبت، فتروح عليهم سارحتهم أطول ماكانت دراً ، وأسبغه ضروعا، و أمده خواصر. ثم يأتي القوم فيدعوهم.فيردّون عليه قوله ، فينصرف عنهم فيصبحون ممحلين ليس بأيديهم شيء من أموالهم ، ويمر بالخربة فيقول لها: أخرجي كنورك ، فتتبعه كنوزها كيعاسيب النحل. ثم يدعو رجلا ممتلئاً شباباً فيضربه بالسيف فيقطعه جزلتين . رمية الغرض ، ثم يدعوه فيقبل و يتهلل وجهه ضاحكا، فبينما هو كذلك إذ بعث الله المسيح بن مريم ، فينزل عند المنارة البيضاء شرقي دمشق بين مهرودتين واضعا كفه على أجنحة ملكين، إذا طأطأ رأسه قطر، وإذ رفع تحدر منه جمان كاللؤلؤ، فلايحل لكافر أن يجد ريح نفسه إلا مات، ونفسه ينتهي حيث ينتهي طرفه، فيطلبه حتى يدركه بباب لد، فيقتله، ثم يأتي عيسى بن مريم قوم قد عصمهم الله منه، فيمسح عن وجوههم ، ويحدثهم بدرجاتهم في الجنة . فبينما هو كذلك إذ أوحى الله إلى عيسى:إني قد أخرجت عباداً لي لا يدان لأحد بقتالهم، فحرز عبادي إلى الطور. ويبعث الله يأجوج و مأجوج، وهم من كل حدب ينسلون، فيمر أولهم على بحيرة طبرية فيشربون ما فيها، ويمر آخرهم فيقولون: لقد كان بهذه مرة ماء. ويحصر نبي الله عيسى وأصحابه حتى يكون رأس الثور لأحدهم خيراً من مائة دينار لأحدكم اليوم . فيرغب نبي الله عيسى

وأصحابه، فيرسل الله عليهم النغف في رقابهم، فيصبحون فرسیٰ كموت نفس واحدة. ثم يهبط نبي الله عيسى وأصحابه إلى الأرض فلا يجدون موضع شبر إلا ملأه زهمهم و نتنهم، فيرغب نبي الله عيسى وأصحابه إلى الله فيرسل الله طيراً كأعناق البخت، فتحملهم فتطرحهم حيث شاء الله، ثم يرسل الله المطر لا يكن منه بيت مدر ولا وبر، فيغسل الأرض حتى يتركها كالزلفة ثم يقال للأرض: أنبتي ثمرك، وردي بركتك، فيومئذ تأكل العصابة من الرمانة ويستظلون بقحفها، و يبارك في الرسل، حتى أن اللقحة من الإبل لتكفي الفئام من الناس. و اللقحة من البقر لتكفي الفخذ من الناس، فبينما هم كذلك، إذ بعث الله ريحاً طيبة فتأخذهم تحت آباطهم فتقبض روح كل مؤمن و كل مسلم، ويبقى شرار الناس يتهارجون تهارج الحمر، فعليهم تقوم الساعة۔(۲۵)

ترجمہ ''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمارے سامنے دجال کا ذکر کیا، اس واقعہ کو بیان کرتے وقت آپؐ اپنی آواز کو کبھی بلند کرتے اور کبھی پست کرتے یہاں تک کہ ہم نے یہ اندازہ کر لیا کہ وہ اسی کھجور کے باغ کے ایک گوشہ میں ہے۔

جب ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شام کو آئے تو آپ نے ہمارے اندر خوف کو بھانپ لیا، اور فرمایا ''تم لوگوں کا کیا حال ہے؟'' ہم نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے صبح دجال کا تذکرہ کیا، اور آپ اس واقعہ کو بیان کرتے وقت اپنی آواز کو بلند اور پست کر رہے تھے، یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ وہ اسی باغ کے ایک گوشہ میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دجال سے زیادہ مجھے

تمہارے اوپر دوسری چیز کا زیادہ خطرہ ہے، اگر دجال کا ظہور ہوا اور میں تمہارے درمیان موجود رہا تو میں تم لوگوں کی جانب سے کافی ہو جاؤں گا، اور اگر میں نہ رہا تو ایک آدمی (مہدی) کافی ہو جائیں گے، اور اللہ میرا وکیل ہے تمام مسلمانوں کی جانب سے۔

دجال گھنگھرالے بالوں والا ہوگا، اس کی ایک آنکھ ابھری ہوئی ہوگی، گویا کہ میں اس کو عبدالعزیٰ بن قطن کی مانند سمجھتا ہوں، لہٰذا تم میں سے جو شخص اس کو پائے تو اس کو چاہئے کہ دجال پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے۔

دجال شام وعراق کے درمیانی راستہ میں ظاہر ہوگا، پھر جنوب وشمال میں فساد برپا کرے گا، تو اے اللہ کے بندو ثابت قدم رہنا، ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر وہ کتنے دن ٹھہرے گا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چالیس دن، ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، اور ایک دن ایک ماہ کے برابر ہوگا، ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن تمہارے عام دنوں کے مانند ہوں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا، کیا اس دن ہمارے لئے ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نہیں! بلکہ تم لوگ اپنے دن کے مطابق حساب لگا لینا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین میں کتنی تیز سفر کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طوفانی بارش کی مانند قوموں کے پاس جائے گا، اور ان کو اپنے دین کی دعوت دیگا، اور لوگ اس پر ایمان لائیں گے، اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے، وہ آسمان کو حکم دیگا تو بارش ہونے لگے گی، پھر وہ زمین کو حکم دیگا تو وہ غلہ اگائے گی، پھر جب ان کے مویشی شام میں آئیں گے تو ان کے پیٹ بھرے ہو نگے، اور تھن دودھ سے لبریز ہوں گے، اور کوکھ بھری ہوئی

ہوگی۔ پھر وہ قوم کے پاس آئے گا اور ان کو دعوت دیگا تو قوم اس کا انکار کر دیگی، پھر وہ وہاں سے چلا جائے گا، پھر ان لوگوں پر قحط پڑے گا، یہاں تک کہ ان کے پاس کچھ بھی مال باقی نہیں رہے گا، وہ جب ایک ویران جگہ سے گذرے گا، تو اس زمین کو حکم دیگا کہ اپنا خزانہ نکال دے، چنانچہ زمین کا سارا خزانہ اس کے پیچھے شہد کی مکھی کے جھنڈ کی مانند چلے گا، پھر وہ ایک مکمل جوان کو بلائے گا، اور اس کو تلوار سے مار دیگا، تو وہ دو ٹکڑے ہو جائے گا تیر مارنے کی طرح، پھر اس کو بلائے گا تو وہ لبیک کہے گا، اور اس کا چہرہ چاند کے ٹکڑے کی طرح ہنسنے کی وجہ سے چمک رہا ہوگا۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو مبعوث فرمائے گا، وہ مشرقی دمشق کے منارے بیضاء پر اتریں گے دو رنگین جوڑوں میں، اور اپنے ہاتھوں کو دو فرشتوں کے بازوں پر رکھے ہوں گے، جب وہ اپنے سر کو جھکائیں گے تو ان کے سر سے قطرے ٹپکیں گے، اور جب اپنے سر کو اٹھائیں گے، تو ان کے سر سے چاندی کے دانے موتی کے مانند گریں گے، اور کافر ان کی خوشبو کی وجہ سے مر جائیں گے، اور ان کی خوشبو حد نظر پہنچے گی، پھر حضرت عیسیٰ دجال کو تلاش کریں گے، یہاں تک کہ دجال کو باب لد پر پائیں گے، اور اس کو قتل کر دیں گے، پھر حضرت عیسیٰ اس قوم کے پاس آئیں گے، جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے دجال سے محفوظ رکھا ہوگا، اور ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے، اور جنت میں ان کے درجات کے متعلق بات کریں گے، اسی درمیان اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کی جانب وحی کرے گا میں نے اپنے لئے کچھ بندوں کو پیدا کیا ہے، کوئی بھی ان کو قتل نہیں کر سکتا ہے، لہذا تم میرے بندوں کو طور پر جمع کرو۔ اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا، اور وہ اوپر سے نیچے کی جانب تیزی سے آئیں گے، ان میں کا پہلا لشکر بحیرۂ طبریہ پر گذرے گا، تو وہ لوگ اس کا تمام پانی پی جائیں گے، پھر ان کا آخری لشکر گذرے گا، تو کہیں گے یہاں پر پہلے بھی پانی

تھا، حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے ساتھیوں کا محاصرہ کرلیا جائے گا، یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے بیل کا سر سو دینار سے زیادہ قیمتی ہوگا، تو عیسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو ابھارا جائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کی گردنوں پر کیڑوں کا عذاب بھیجے گا، اور وہ لوگ ایک ساتھ مر جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے ساتھی نیچے اتر آئیں گے، زمین میں کوئی بالشت بھر جگہ ایسی نہیں پائیں گے جو یاجوج و ماجوج اور ان کی لاشوں کی بدبو سے خالی ہو، پھر حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے ساتھی اللہ کی طرف رجوع کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی جانب ایسے پرندوں کو بھیجے گا، جو اونٹ کی گردنوں کی مانند ہوں گے، وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر پھینکیں گے جہاں اللہ چاہے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا اور اس بارش سے زمین کا کوئی بھی حصہ محفوظ نہیں رہے گا، وہ بارش زمین کو صاف کر دے گی، اور ساتھ ساتھ پوری دنیا کو ایک پیالہ کے مانند بنا دے گی، پھر زمین سے کہا جائے گا، اپنے پھلوں کو اگا، اور اپنی برکت و نکال دے۔ چنانچہ اس دن پوری ایک جماعت ایک انار سے سیر ہو جائے گی، اور اس کے چھلکے سے سایہ حاصل کرے گی، اور دودھ میں برکت دی جائے گی، یہاں تک کہ دودھ دینے والی اونٹنی لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہو جائے گی، دودھ دینے والی گائے پورے قبیلہ کے لیے کافی ہو جائے گی، اور ایک دودھ دینے والی بکری ایک چھوٹی جماعت کے لیے کافی ہو جائے گی اس طرح زندگی گذرتی رہے گی، کہ اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا کو بھیجے گا، اور وہ ہوا لوگوں کی بغلوں میں لگے گی، تو ہر مومن اور ہر مسلمان کی روح قبض کر لی جائے گی، بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے، اور یہ بدترین لوگ گدھوں کی طرح زنا کریں گے، پھر ان کے اوپر قیامت قائم ہو جائے گی۔"

یہ اور اس طرح کے قصے کفر و ایمان کی کشمکش کو بیان کرتے ہیں۔ ہم نے اس قصہ میں جہاں فنی عناصر کا لطف لیا وہیں مستقبل میں کفر و ایمان کی کشمکش کی تصویر کشی کی بھی جھلک دیکھی جب کہ اس قصہ نے اس بات کی بھی خبر دی کہ اس کشمکش کا اصل میدان شام ہوگا۔

(ب) آخرت میں پیش آنے والی باتیں (قصص الآخرة)

یہ وہ روایات ہیں جن میں آں حضرت نے عالم آخرت کی تصویر کشی کی ہے، کبھی تو کوئی خبر دی ہے، کبھی کسی موقف و منظر کو پیش کیا ہے۔ البتہ ذخیرہ احادیث میں اس سلسلہ میں کوئی قصہ نہیں ملتا۔ مگر ایک حدیث جس میں آخری شخص کے جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہونے کو بیان کیا گیا ہے، اسے اسی قبیل کا قصہ شمار کیا جاسکتا ہے۔ یہ قصہ انسانی مزاج کی عکاسی کرتا ہے کہ دنیا کی نفسیاتی حالت سے امتداد کے طور پر عالم آخرت میں بھی انسانی مزاج پر اس کا اثر ہوگا۔

عن ابن مسعود أن رسول الله ﷺ قال: "آخر من يدخل الجنة رجل، فهو يمشي مرة و يكبو مرة، وتسفعه النار مرة، فإذا ما جاوزها التفت إليها فقال: تبارك الذي نجاني منك، لقد أعطاني الله شيئاً ما أعطاه أحداً من الأولين والآخرين. فترفع له شجرة فيقول: أي رب، أدنني من هذه الشجرة، لأستظل بظلها، وأشرب من مائها. فيقول الله عزوجل: يا ابن آدم، لعلي إذا أعطيتكها سألتني غيرها! فيقول: لا يا رب، ويعاهده أن لا يسأله غيرها، وربه يعذره لأنه يرى مالا صبر له عليه، فيدنيه منها، فيستظل بظلها، ويشرب من مائها، ثم ترفع له شجرة هي أحسن من الأولى، فيقول أي رب، أدنني من هذه لأشرب من مائها، و أستظل بظلها، لا أسألك غيرها،

فيقول : يـاابن آدم، ألـم تعـاهـدنى أن لا تسألنى غيرها؟ فيقول:لعلى إن أدنيتك منهـا تسـألنى غيرها؟ فيعاهده أن لا يسأله غيرها، وربه يعذره، لأنه يرى مالا صبر له عليه، فيدنيه منها، فيستظل بظلها، ويشرب من مائها، ثم ترفع لـه شجرة عند باب الجنة هى أحسن من الأوليين، فيقول : أى رب، ادنى من هذه لأستظل بظلها و أشرب من مائها، لا أسألك غيرها. فيقول: ياابن آدم، ألـم تعـاهـدنـى أن لا تسألنى غيرها؟ قال: بلى يا رب، هذه لا أسألك غيرهـا، وربه يعذره لأنه يرى ما لا صبر له عليه، فيدنيه منها، فإذا أدناه منها، فيسمع أصوات أهل الجنة فيقول: أى رب أدخلنيها.

فيقـول: يـاابن آدم ، مايصريني منك؟ أيرضيك أن أعطيك الدنيا ومثلها معها؟ قال: يارب، أتستهزئ بى وأنت رب العالمين!!

فضحك ابن مسعـود ، فقـال: ألا تسـألونى مم أضحك؟ فقالوا مم تضحك ؟ قـال: هكذا ضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقالوا مم تضحك يارسول الله ؟قال: من ضحك رب العالمين حين قال: أتستهزئ بى وأنت رب العالمين ؟ فيقول : إنى لا أستهزئ منك ولكنى على ما أشاء قادر . (٢٦)

ترجمہ ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والا جو شخص ہوگا، وہ ایک مرتبہ ایک قدم آگے چلے گا اور دوسری مرتبہ منہ کے بل گر پڑے گا، اور تیسری مرتبہ دوزخ کی آگ اس کو جھلس ڈالے گی ، تو جب وہ دوزخ سے آگے گذر جائے گا، تو مڑ کر دیکھے گا، اور کہے گا بزرگ و برتر ہے خدا کی ذات جس نے مجھے

تجھ سے چھٹکارا دلایا، خدا کی قسم میرے پروردگار نے مجھے وہ چیز عطا کی ہے، جو اس نے اگلے پچھلے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دی، پھر اس کی نظر کے سامنے ایک درخت کھڑا کیا جائے گا، وہ اس کو دیکھ کر کہے گا اے میرے پروردگار مجھے اس درخت کے قریب کر دے، تاکہ میں اس سے سایہ حاصل کرسکوں اور اس کا پانی پی سکوں۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم اگر میں تیری یہ آرزو پوری کردوں تو ہوسکتا ہے کہ تو مجھ سے اور مانگنے لگے وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار ایسا نہیں ہوگا، اس کے بعد وہ اللہ سے اس بات کا عہد کرے گا کہ وہ اس کے بعد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگے گا، اس کا رب اس کے عذر کو قبول فرمالے گا، اس لیے کہ وہ ایسی چیز دیکھ رہا ہے جس پر وہ صبر نہیں کرسکتا، اور اس کو درخت کے قریب پہنچادے گا، وہ شخص اس درخت کے سایہ میں بیٹھے گا، اور اس کے چشمے سے پانی پیئے گا، پھر اس کی نظر کے سامنے ایک درخت کھڑا کر دیا جائے گا جو پہلے درخت سے زیادہ اچھا ہوگا، تو وہ کہے گا اے میرے رب مجھے اس درخت کے قریب کر دے تاکہ میں اس کے چشمہ کا پانی پیوں اور اس کا سایہ حاصل کروں، میں اس کے علاوہ تجھ سے اور کوئی سوال نہیں کروں گا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم کیا تو نے مجھ سے معاہدہ نہیں کیا تھا کہ تو اس کے علاوہ مجھ سے سوال نہیں کریگا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میں تجھے اس درخت کے پاس پہنچادوں تو ہوسکتا ہے کہ تو مجھ سے اور کچھ مانگنے لگے، تو وہ معاہدہ کرے گا کہ وہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں مانگے گا، اللہ تعالیٰ اس کو معذور جان کر درگذر کردے گا، اس لئے کہ وہ ایک ایسی چیز دیکھ رہا ہے، جو اس کو بے صبر کر رہی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے قریب کردیگا، تو وہ اس سے سایہ حاصل کرے گا، اور اس کے چشمہ کا پانی پیئے گا، پھر اس کے سامنے جنت کے دروازے کے قریب ایک اور درخت کھڑا کر

دیا جائیگا، یہ ان دونوں سے زیادہ خوبصورت ہوگا، تو وہ کہے گا اے میرے رب مجھے
اس درخت کے قریب کر دے، تاکہ میں اس کا سایہ حاصل کروں اور اس کے چشمہ کا
پانی پی سکوں، اس کے علاوہ تجھ سے اور کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:
اے ابن آدم کیا تو نے مجھ سے معاہدہ نہیں کیا تھا، کہ تو مجھ سے اس کے علاوہ اور کوئی
سوال نہیں کرے گا؟ تو وہ کہے گا۔ کیوں نہیں اے میرے رب، اس کے بعد میں تجھ
سے کوئی اور سوال نہیں کروں گا، تو اس کا رب اس کو معذور جان کر کہ وہ ایک ایسی چیز
دیکھ رہا ہے جو اس کو بے صبر کر رہی ہے، اس کو پیڑ کے قریب پہنچا دے گا، تو جب وہ اس
کے قریب پہنچے گا تو وہ جنت والوں کی آوازیں سنے گا، تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب
تو اس میں مجھے داخل کر دے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم کیا کوئی ایسی چیز ہے جو تجھ سے میرا پیچھا
چھڑا دے؟ اگر میں تجھ کو دنیا اور اس کے بقدر مزید جگہ جنت میں دے دوں تب تو خوش
ہوگا یا نہیں؟ تو وہ کہے گا اے میرے رب کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں حالانکہ
آپ تو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسے اور پھر (سامعین سے) کہا کیا تم مجھ
سے نہیں پوچھو گے کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟ لوگوں نے کہا۔ آپ کیوں ہنسے ہیں؟
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے تو
صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں
ہنسے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہنس
پڑنے کی وجہ سے ہنسا اس وجہ سے ہنسا کہ جب وہ شخص کہے گا اے میرے پروردگار
آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے ہیں حالانکہ آپ تمام جہانوں کے رب ہیں (تو پھر

پروردگار عالم اس پر ہنس پڑے گا)۔تو اللہ تعالی کہے گا نہیں میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں میں جو چاہوں کر سکتا ہوں"۔

قصص حدیث کے فنی عناصر:

یہ بات پہلے ذکر کی گئی کہ احادیث نبویہ میں وارد قصص فنی عناصر سے آراستہ ہیں، ان میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن شخصیت، پلاٹ، مکالمہ اور زمان ومکان سب میں موجود ہے۔ البتہ شخصیت، مکالمہ اور پلاٹ زیادہ تر قصوں میں پایا جاتا ہے جب کہ زمان ومکان بہت کم میں موجود ہے۔

شخصیت:(کردار)

سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ان تمام قصوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ عزوجل موجود ہے، مثلاً آخری شخص کے جنت میں داخل ہونے والی روایت میں اللہ تعالی بلاواسطہ موجود ہے، جب کہ دیگر متعدد قصوں مثلاً "لڑکا، بادشاہ، راہب اور جادوگر" والے قصے میں بالواسطہ اس طور پر موجود ہے کہ قصہ کے پلاٹ اور اسلوب سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ بالفعل یا بحکم الہی اس قصہ کو اللہ کی طرف سے نقل کرنے والے ہیں۔

جہاں تک کردار کا تعلق ہے تو یہ عنصر تمام قصوں میں موجود ہے، گذشتہ صفحات میں بطور نمونہ جو واقعات نقل کیے گئے یا جن کو نہیں نقل کیا گیا ان سب میں اس کا وجود ہے، عالم آخرت اور عالم مشاہدہ دونوں میں کردار پایا جاتا ہے، اکثر مواقع پر شخصیت کا نام بھی لیا گیا ہے لیکن بسا اوقات نام نہیں بھی لیا گیا مثلاً فرشتوں کے کردار میں بعض کا نام نہیں ذکر کیا گیا اگرچہ قصہ کے پلاٹ میں ان کا کردار ہے۔

ہم نے ان قصوں میں یہ بھی دیکھا کہ ایک کردار مرکزی ہے جس کا رول

پورے یا قصہ کے اکثر حصہ میں ہے، بقیہ شخصیات اسی سے متعلق ہیں، جب کہ وہ مرکزی کردار تمام اجزاء قصہ کا محور ہے، اور دوسرے کردار ذیلی یا ضمنی شخصیات ہیں، جن کا قصوں کے بعض مراحل میں کوئی نہ کوئی کردار ہے، جس سے نہ صرف حصول غایت میں فائدہ ہے بلکہ قصہ کے فنی تجزیہ میں بھی ان کا اپنا کردار ہے۔

اس کی تفصیل سے قطع نظر اہم بات یہ ہے کہ ان قصوں میں جو بھی کردار ہیں وہ انسانیت کے لئے نمونہ ہیں، ان سے انسان جہاں خیر و شر کے راستہ میں اپنا ہدف متعین کرسکتا ہے وہیں ناول نگار یہ سبق حاصل کرسکتا ہے کہ شخصیت کا انتخاب اس طرح کرنا چاہئے جو انسانیت کے لئے نمونہ بن سکیں، اور ان کو کردار بنا کر اسلامی ناول وکہانی کو بامقصد اور تعمیری رخ دیا جا سکے، مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ دولت و ثروت کے فتنہ کو بنی اسرائیل کے تین اشخاص کے ذریعہ کس طرح پیش کیا گیا، اصحاب غار کے کردار سے ایک پریشان حال کے رب کی پناہ چاہنے اور رب کریم کے دعا قبول کرلینے کی کس طرح تعلیم دی گئی، اسی طرح بادشاہ، لڑکا اور راہب وجادوگر کے واقعہ میں ان کرداروں سے ظالم و نافرمان اور کمزور وناتواں مومنوں کے حال کی کسی طرح تصویر کشی کی گئی۔

پلاٹ:

فن قصہ کا یہ فنی عنصر پورے طور پر قصص نبوی میں ظاہر ہے، اسی سے ان قصوں کی فکر اور غایت کا اظہار ہوتا ہے، اسی طرح اسی عنصر کے ذریعہ کردار ادا کرنے والی شخصیت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ کہیں وہ سامان عبرت بن سکیں اور کہیں نمونۂ کامل کا کام دیں۔

تمام قصص نبوی کے پلاٹ ان قصوں کی غایت ومزاج سے ہم آہنگ ومربوط ہیں، اور یہ سب وہی ہیں جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دی، مثلاً کسی گذشتہ واقعہ

کا علم دیا، یا مستقبل میں پیش آنے والے کسی واقعہ کے بارے میں خبر دی گئی، قصص نبوی میں جو پلاٹ ہیں ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ایسے پلاٹ جو خرق عادت ہیں جیسے تعمیر کعبہ کے واقعہ میں فرشتوں کا چاہ زمزم کھودنا وغیرہ، یا فوری طور پر دعا کا قبول ہونا جیسے اصحاب غار کا قصہ، یا ماں کی گود میں شیر خوار بچہ کا گفتگو کرنا جیسے قصہ ''جریج'' یا قصہ ''امراۃ وابنھا'' میں بچہ کا گفتگو کرنا، یا انبیاء کے معجزات یا فتنہ دجال وغیرہ۔

۲۔ عالم غیب کے پلاٹ جو کہ ہم نے اسراء و معراج، خواب اور دو فرشتے اور آخری شخص کے جنت میں داخل ہونے والی روایت میں دیکھا کہ نبی کریم نے عالم غیب کے واقعات کو بیان کیا، جن پر عالم مشاہدہ کا کوئی انسان مطلع نہیں ہو سکتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے باخبر کیا، اور آپ کے ذریعہ دنیا ان پر مطلع ہوئی۔

۳۔ عام پلاٹ یہ وہ پلاٹ ہیں جن کا انسانی زندگی بار بار مشاہدہ کرتی ہے، یا یوں کہا جائے کہ اگر ماضی میں وہ وقوع پذیر ہو چکے ہیں تو مستقبل میں بھی ان کا رونما ہونا ممکن ہے، ان میں نہ غیب کی کوئی چیز ہے جو مخفی ہو اور نہ غیر مانوس کوئی مسئلہ ہے، مثال کے طور پر ''بادشاہ، غلام، ساحر اور راہب'' کا قصہ اگر ماضی میں ہوا تو مستقبل میں بھی اس جیسا واقعہ پیش آ سکتا ہے، بس کردار بدل لیں گے، پھر اس میں کوئی چیز مخفی یا غیب سے متعلق نہیں اور نہ ہی کوئی نمونہ خرق عادت، اس لیے کہ ظلم و سرکشی کی اور بھی بھیانک تصویریں انسان کے مشاہدے میں آ چکی ہیں اور ایمان و عزیمت اور استقلال کی بھی نادر مثالیں دیکھی گئی ہیں۔

مکالمہ:

فنی پہلوؤں میں قصص نبوی میں اس عنصر کا زیادہ ظہور ہے، اور قصہ میں اس

کی بڑی اہمیت ہے، اس سے جہاں قصے کی کڑیاں جڑتی ہیں اور اس میں تسلسل سے لطف پیدا ہوتا ہے، وہیں قصہ کی ہیئت میں زندگی پیدا ہوتی ہے، اس کے ذریعہ کردار ادا کرنے والی شخصیات اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتی ہیں، اور اسی کے ذریعہ غیر موجود کو مشاہدے کی شکل دی جاتی ہے، اس طور پر کہ قاری یا سامع سننے یا پڑھنے کے بجائے اپنے آپ کو منظر کے سامنے کھڑا ہوا پاتا ہے، مختصر یہ کہ قصص نبوی میں مکالمہ جیسے فنی عنصر کا وجود ان کے فنی حیثیت سے متصف ہونے پر قوی اور واضح دلیل ہے، جب کہ مکالمہ کے ذریعہ ان میں حرکت و زندگی ہونے اور قاری و سامع کے اندر تشویق پیدا کرنے کا بھی ایک خاص سبب ہے۔

زمان ومکان:

زمان ومکان وہ ظرف ہیں جن میں قصہ کا وقوع عمل ہوتا ہے، قصص نبوی میں زمان ومکان بذات خود مقصود نہیں، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان قصوں کے ذریعہ تاریخ بیان کرنا مقصد نہیں، بلکہ ان قصوں میں زمانی تحدید کا بھی پایا جانا ممکن نہیں، زیادہ سے زیادہ جو صراحت ہے وہ اس طرح کہ ''یہ واقعہ پہلے ہوا'' یا ''تم سے پہلے لوگوں میں ایسا ہوا'' یا ''بنی اسرائیل میں ایسا ہوا''، یا صورت قصہ جتنی مدت پر محیط ہے وہ یا تو کچھ مہینوں کی ہے یا کچھ سالوں کی، اور بعض قصوں میں زمانے کا بالکل بھی تذکرہ نہیں، اس سے یہ معلوم ہو کہ اسلامی ادب وکہانی میں زمانی تحدید نہ ہونا اس کے موضوع وغایت سے مرتبط ہونے کی دلیل ہے، اگر اس کا ذکر غایت کے حصول کے لیے کچھ مفید ہوتا تو یقیناً ان قصص میں یہ تحدید پائی جاتی۔

جہاں تک مکان کی بات ہے تو قصص نبوی میں اس کی تحدید سے بھی گریز کیا گیا ہے، بس اس کے مبہم ذکر پر اکتفا کی گئی ہے، مثلاً ''ایک پہاڑ'' یا ''

ایک سمندر'' البتہ بعض قصوں میں متعدد مقامات سننے والے ہر فرد سے متعلق اور ہر ایک کو معلوم ہیں، بلکہ ہر مسلمان ان کی زیارت کرتا ہے جیسے تعمیر کعبہ کے قصہ میں خانہ کعبہ، زمزم، صفا و مروہ وغیرہ کی تحدید ہے۔ اسی طرح قصہ دجال میں بھی مکان کی تحدید ہے، جس کا فائدہ یہ ہے کہ رسول کریمؐ نے ان مقامات کی نشاندہی کردی جہاں یہ خطرناک واقعات رونما ہوں گے، اور اس وقت وہاں کے مسلمان ان کا سامنا کریں گے۔ مختصر ا یہاں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قصص نبوی میں جہاں سیاق کا یہ تقاضہ ہوا کہ مکانی تحدید کی جائے وہاں کی گئی اور جہاں موضوع کا اس تحدید سے کوئی فائدہ وابستہ نہ رہا وہاں اس سے گریز کیا گیا۔

قصص حدیث کے موضوعات:

یہاں ہم حدیث شریف میں واردان قصوں کے موضوعات کا ذکر کریں گے، ان قصوں کو پڑھتے وقت یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ قصے نبی کریمؐ کی رسالت کا ایک جزء ہیں، اسی لیے یہ بات بھی قابل تعجب نہیں کہ ان قصوں اور قصص قرآن کے موضوعات میں گونہ مشابہت پائی جائے۔ ان قصوں کے موضوعات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ صفات الٰہی کا تعارف اور بندوں پر اس کے اثرات:

یہ بات واضح ہے کہ رسالت کا ایک اولین مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کے سلسلہ میں انسانی تصور کی مکمل اصلاح کی جائے، اور اس کو باطل عقائد سے نکالا جائے، اسی کے لیے نبی کریمؐ نے مختلف انداز و اسالیب اور متعدد قصوں میں اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کو بیان کیا تاکہ بندے اپنے رب کو پہچان سکیں، اور خدا تعالیٰ کی ان صفات کی معرفت حاصل کرکے ان کے اثرات اپنی زندگیوں میں محسوس کرسکیں۔

۲۔انسان اور تقدیر:

یہ موضوع بھی متعدد قصوں میں ہے، بالخصوص قصہ موسیٰ وخضر میں اس کا ظہور ہے، جوانسانی تقدیر کے سلسلہ میں حکمت الٰہی کا انکشاف کرتا ہے، کہ انسان تقدیر سے کس طرح ناواقف رہتا ہے، حالانکہ اگر وہ اس کی حکمتوں اور منافع سے واقف ہوجائے تو نہ صرف اس سے راضی رہے بلکہ اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے۔

۳۔انسان کی سرکشی:

یہ موضوع بھی قصص نبوی میں ظاہر ہے، بالخصوص قصہ ''اصحاب اخدود'' میں جہاں ایک بادشاہ ربوبیت تک کا دعویٰ کرتا ہے، اور اسی طرح قصۂ دجال میں جہاں ربوبیت کا دعویٰ کرنے کے ساتھ متعدد فتنوں کو نمودے کر انسانیت کے لئے دشواریاں پیدا کی جاتی ہیں۔

۴۔سماجی قدریں اور معیار:

لوگ اپنے سماج میں کس طرح خودساختہ پیمانے مقرر کر لیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تصحیح کی جاتی ہے، یہ موضوع بالخصوص قصہ جریج کے ضمن میں ایک عورت اور اس کے بیٹے کے قصہ میں ظاہر ہے۔

۵۔ایمان اور انسانی زندگی میں اس کا اثر۔

اس موضوع کا اثر متعدد قصوں میں ملتا ہے کہ انسان ایمان کی قوت سے اپنی چاہتوں کو کس طرح قربان کرتا ہے اور داستان عزیمت واستقامت رقم کرتا ہے، قصہ اصحاب اخدود میں ہم نے دیکھا کہ انسانوں نے کس طرح کفر میں لوٹنے پر آگ میں کودنے کو ترجیح دی اور اسی طرح قصہ ''تعمیر کعبہ'' میں کس طرح ابراہیمؑ نے اپنی بیوی اور شیرخوار کو بے آب وگیاہ چٹیل میں چھوڑ دیا اور پھر حضرت ہاجرہ کے یہ جاننے کے

بعد کہ ابراہیمؑ ایسا حکم الٰہی کے سبب کر رہے ہیں، ان کا نہ صرف سر تسلیم خم کرنا بلکہ ان کی زبان سے ایسا پر اعتماد، یقین و ایمان کی قوت سے لبریز اور اعلیٰ درجہ کی اطاعت و بندگی کا نمونہ بن کر یہ جملہ نکلا "إذن لا يضيعنا" "تب تو وہ ہم کو ضائع نہیں کرے گا"۔

۶۔ عالم آخرت:

عالم آخرت کو کئی قصوں میں موضوع بنایا گیا ہے، اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً قصہ "اسراء و معراج" اور "قصہ رؤیا دو منین" اور "آخری شخص کے جنت میں دخول" کے قصے میں عالم آخرت کے متعدد پہلوؤں سے انسان کو روشناس کرایا گیا ہے۔

قصص حدیث کی غایت:

قصہ نبی کریمؐ کے ان چند ذرائع میں سے ایک ہے جن کو آپؐ نے اپنی رسالت کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا، اور اس سلسلہ میں آپؐ نے قرآن کے طرز کو اپنایا، چنانچہ آپ نے لوگوں کے سامنے بہت سے مشاہد و اخبار اور حالات واقعات بیان کیے، اسی لیے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ قصص نبوی اور قصص قرآن کے مقاصد میں یکسانیت پائی جاتی ہے، چنانچہ قصص نبوی کی دو بنیادی غایت ہیں۔

۱۔ تعمیر و اصلاح عقیدہ:

یہ ان قصوں کی بنیادی غایت ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد قصوں میں خدا تعالیٰ کی ایسی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ایک مسلم کے عقیدہ کا جزء ہیں کہ وہ غیب پر مکمل ایمان لائے اور عالم غیب کے تمام اجزاء فرشتوں اور جنت و دوزخ پر ایمان رکھے۔

۲۔ انسانی نفوس کی تربیت:

تمام قصوں میں یہ غایت موجزن ہے، چنانچہ ایسے کردار پیش کیے گئے ہیں

جن کے ذریعہ مسلمان سے صحیح راستہ پر چلنے کا مطالبہ کیا گیا ہے تاکہ وہ اچھے انجام تک پہنچ سکے، اور ایسے کردار بھی پیش کیے گئے ہیں جن سے عبرت حاصل کرتے ہوئے ایک مسلمان ان مواقف سے اجتناب برتے تاکہ انجامِ سوء سے محفوظ رہ سکے، ساتھ ہی یہ تربیت بھی موجود ہے کہ انسان کو حقائق کے میزان میں تولنا چاہیے نہ کہ ظاہری معیار پر۔

اسلامی افسانوی ادب پر قصص حدیث کے اثرات:

جس طرح قرآن کریم کے قصص کی طرف لوگوں نے رجوع کیا اس طرح قصص نبوی پر توجہ نہ کی گئی، غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ حدیث میں قصوں تک پہنچنے کے لیے مختلف کتب کو دیکھنے میں کافی جدوجہد ہے، برعکس قرآن کے کہ اس میں سب یکجا بین الدفتین موجود ہے۔ بعض حضرات نے اس کو موضوع بنایا اور حدیث شریف میں قصہ کو آپ کی بلاغت اور اسالیب کے تنوع کے ضمن میں پیش کیا۔ (۲۷) بعض لوگوں نے ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کی اور اسلامی افسانوی ادب کے لیے ایک منہج متعین کرنے کی راہ نکالی، مثلاً محمد بن حسن الزیر نے اپنی کتاب "القصص فی الحدیث النبوی" اور محمد قطب نے "منہج الفن الاسلامی" میں یہ کام کیا ہے۔

بہر حال اتنی بات تو طے ہے کہ قصص نبوی سے بھی قصص قرآن کی طرح ناول و کہانی کی شرعی سند ملتی ہے، اور سب سے پہلے اس جانب محمد البہی الخولی نے التفات کیا اور انھوں نے قصہ اصحاب اخدود پیش کرنے کے بعد لکھا "کہ آپ دیکھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب نے اس طاقت ور قصہ کو اختیار کیا، اس میں فضا کی کیسی دلکش تصویر ہے اور دلوں میں اثر پذیر ہونے کے لیے یہ کیسا پر تاثیر ہے، یہیں سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ قصہ آپ کے اسلوب کا ایسا جزء ہونا چاہیے کہ آپ اپنی دینی و اخلاقی تعلیمات کی دلنشین تشریح کر سکیں، اور ان کو ثابت کرنے کے بعد ان کی تاثیر میں

بھی اضافہ کر سکیں، اور لوگوں کو عملی طور پر ان تعلیمات کو اختیار کرنے پر آمادہ کر سکیں، آپ نے دیکھا کہ قصہ قرآن کریم کا بھی طریقہ رہا ہے اور نبی کریمؐ کی سنت بھی''(۲۸)

قصص نبوی میں موضوعات کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں بھی نمونہ ملتا ہے، اسلامی ناول وکہانی نویس کے لیے کائنات، انسانی زندگی اور معاشرے کے وسیع ترین میدانوں سے موضوعات اختیار کرنے کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اسی طرح وہ اسالیب میں تنوع کا فائدہ بھی قصص نبوی سے حاصل کر سکتا ہے، کہیں تو آپؐ نے طول سے کام لیا اور کہیں اختصار سے، چنانچہ جدید فنی اصطلاح کے مطابق ایک اسلامی ادیب ناول وافسانہ اور کہانی لکھنے کے لیے آزاد ہے، کسی طرح زمانی بعد وقرب اور مکانی وسعت وقصر نیز تعدد شخصیات اور اختلاف بیانات میں بھی وہ نبوی قصوں سے مدد لے سکتا ہے، پھر ایک اسلامی ادیب ادب اسلامی کے ذخیرہ میں صرف ان قصوں کو پڑھ اور سمجھ کر انھیں اپنے اسلوب میں پیش کر کے ایک اچھا اضافہ کر سکتا ہے۔

حواشی:

۱۔ فتح الباری، ج ۶، ص ۵۹۰، ح ۳۴۸۵، دار الحدیث القاہرہ الطبعۃ الاولی ۲۰۰۴۔

۲۔ صحیح مسلم، ج ۶، ص ۱۸۳، حدیث ۶۶۶۹ کتاب البر والصلۃ، دار الفیحاء، دمشق۔
دار السلام الریاض۔ طبع ۲۰۱۰م۔

۳۔ فتح الباری، ج ۶، ص ۵۶۲، حدیث ۳۴۶۳، دار الحدیث القاہرہ۔ طبع ۲۰۰۴۔

۴۔ فتح الباری، ج ۶، ص ۴۰۱، حدیث ۳۳۱۹، دار الحدیث القاہرہ طبع ۲۰۰۴۔

۵۔ فتح الباری، ج ۶، ص ۵۱۷، حدیث ۳۴۲۴، دار الحدیث القاہرہ، طبع ۲۰۰۴۔

۶۔ مسلم، ج ۶، ص ۷۲-۷۱، حدیث ۶۹۶۰، کتاب التوبۃ، طبع ۲۰۱۰م۔

۷۔ فتح الباری رج:۱۳رص.۵۵۳/حدیث ۷۵۱۹:روار الحدیث القاھرہ. طبع ۲۰۰۴۔

۸۔ صحیح مسلم رج ۴رص ۲۳رحدیث. ۴۴۹رکتاب الاقضیہ روار الفیحاء، دمشق۔
دارالسلام، الریاض، طبع:۲۰۱۰۔

۹۔ م واحمد رج ۱۳رص ۳۲۴-۳۲۳رحدیث ۷۹۴۱رموسسۃ ارسالۃ، بیروت۔ طبع ۱۹۹۸۔

۱۰۔ القصص فی الحدیث النبوی، محمد بن ح الزیرص ۲۶۷۔

۱۱۔ سورہ مریم:۵۷۔

۱۲۔ صحیح مسلم رج ارص. ۲۳۴رکتاب الایمان رحدیث ۴۱۱روار الفیحاء۔ دمشق۔
دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ۔ ۲۰۱۰م

۱۳۔ فتح الباری رج ۱۲رص ۵۰۴-۵۰۵رحدیث ۷۰۴۰ردار حدیث القاھرہ طبع ۲۰۰۴م۔

۱۴۔ مسلم رج ۲رص ۱۲۶-۱۲۹رباب قصۃ اصحاب الاخدود رحدیث ۷۵۱۱۔ طبع ۲۰۱۰ء

۱۵۔ فتح الباری رج ۶رص ۶۲۵-۶۲۷رحدیث ۳۳۶۴روار الحدیث القاھرہ۔ طبع ۲۰۰۴م

۱۶۔ فتح الباری رج ارص ۲۶۴رحدیث ۱۲۲روار الحدیث القاھرہ۔ طبع ۲۰۰۴م۔

۱۷۔ فتح الباری رج ۶رص ۵۶۴-۵۶۵رحدیث ۳۳۶۴روار الحدیث قاھرہ، طبع ۲۰۰۴م

۱۸۔ م واحمد رج ۳۰رص ۳۶۶رحدیث. ۱۸۳۱۷رموسسۃ الرسالۃ، بیروت
لبنان الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹۔

۱۹۔ مسلم ج ۶رص ۱۱۳کتاب البر والصلۃ رحدیث ۶۵۰۹روار الفیحاء۔ دمشق دار
السلام الریاض۔ الطبعۃ الاولیٰ:۲۰۱۰م۔

۲۰۔ ایضاً۔

۲۱۔ مسلم رج ۶ ص ۱۲۶-۱۲۹رباب قصۃ اصحاب الاخدود رحدیث ۷۵۱۱ر طبع۔ ۲۰۱۰م۔

۲۲۔ سورہ ابراھیم:۳۷۔

۲۳۔ سورہ بقرہ: ۱۲۷۔

۲۴۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۲۴۵-۲۴۷، حدیث ۳۳۹۴، ۱۰، حدیث قاہرہ۔ الطبع ۲۰۰۴م۔

۲۵۔ مسلم، ج ۶، ص ۶۲-۶۹۔ الطبعۃ الاولی ۔ ۲۰۱۰۔ کتاب الفتن، حدیث ۲۷۴۳۔ دار الفیحاء، دمشق، دار الاسلام، الریاض۔ الطبعۃ الاولی ۲۰۱۰۔

۲۶۔ مسلم، ج ۱، کتاب الایمان، باب آخر اھل النار خروجا، حدیث ۴۶۳۔ ص ۴۷ ۔ دار الفیحاء، دمشق۔ دار السلام، الریاض۔ الطبعۃ الاولی ۲۰۱۰۔

۲۷۔ محمد الصباغ، ''التصویر الفنی فی الحدیث النبوی'' ص ۴۹۸۔

☆ نفسہ، ''الحدیث النبوی'' ص ۷۴، ط۴، المکتب الاسلامی، ۱۴۰۲/۱۹۸۲م۔

☆ ابراہیم عوضین، ''تأملات فی البیان النبوی'' ص ۱۰۰، ط۲، مطبعۃ السعادۃ، ۱۴۰۱/۱۹۸۱م

☆ محمد بن سعد الدبل، ''الخصائص الفنیۃ فی الادب النبوی'' ص ۱۳۶ وما بعدھا، رسالۃ دکتوراہ، کلیۃ اللغۃ العربیۃ، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ، ۱۴۰۲/۱۹۸۲م۔

☆ عمر محمد یاسین، ''دراسۃ فی الاسالیب النبویۃ''، الفصل الرابع من الباب الثانی، ص ۲۱۵، رسالۃ ماجستیر، کلیۃ الآداب، جامعۃ الخرطوم، ۱۹۸۴م۔

☆ عز الدین السید، ''الحدیث من الوجھۃ البلاغیۃ''، ص ۴۴۱، مکتبۃ وھبۃ ۱۳۹۳/۱۹۷۳۔

☆ ''القصص النبوی'' ص ۳-۱۲، دار النھضۃ العربیۃ، القاھرۃ (د-ت)

۲۸۔ تذکرۃ الدعاۃ، ص: ۵۳۔

فصل پنجم

اسلامی افسانوی ادب کی تخلیق کے شرائط

اسلامی افسانوی ادب کی تخلیق کے شرائط پر گفتگو سے قبل ضروری ہے کہ اسلامی ناول نگاری اور افسانہ نویسی کی ایسی متعین تعریف کی جائے جو اس کو دیگر مکاتب فکر کی نمائندگی کرنے والے قصوں، ناولوں، کہانیوں اور افسانوں سے ممتاز کر سکے، چنانچہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ ناول و افسانہ اور کہانی و ڈرامہ بھی فنون ادب اسلامی کی ایک قسم ہے، تو پھر اسلامی افسانوی ادب کی تعریف اس طرح کرنا ممکن ہے کہ ''وہ افسانوی ادب جس میں ناول نگار و افسانہ نویس کائنات و انسان اور انسانی زندگی کے ماضی و حال کے سلسلہ میں اسلامی تصور کے مطابق اپنے خیالات کو تعبیرات کا جامہ پہنائے اسے اسلامی افسانوی ادب کہا جائے گا''۔ اس تعریف سے جو بنیادی شرط ظاہر ہوئی وہ یہ کہ ناول، افسانہ اور کہانی کسی طور پر بھی اسلامی تصور کے خلاف نہ ہو، یہ ایسی فکری شرط ہے کہ جو تخلیق کار کے ہر اقدام پر عاید ہوتی ہے، خواہ وہ موضوع کا انتخاب ہو، یا اس کو برتنے کا طریقہ، یا شخصیات کی تصویر کشی، یہی شرط اس کو کائنات میں جاری اللہ تعالیٰ کے قوانین سے مربوط کرتی ہے۔ اس بنیادی شرط کو پورا کرنے کے بعد وہ اپنی پسند کی شخصیت اور اپنی پسند کا پلاٹ تیار کرتا ہے۔

اس تعریف سے ہمارے لیے تخلیق اور تخلیق کار کے درمیان تمیز کرنا بھی آسان ہے، چنانچہ مسلم تخلیق کار کی ہر ناول اور اس کا ہر افسانہ اسلامی نہیں ہو سکتا، ورنہ ہی اسلامیت کی عدم موجودگی سے وہ حدود اسلام سے باہر نکل جائے گا، عہد حاضر کا مشہور شاعر شوقی اس تنوع و تلون کی بہترین مثال ہے، جہاں ایک طرف اس کے

یہاں متعدد اسلامی قصائد ہیں وہیں بے شمار قصائد میں خمر وفسق بھی موجود ہے، ادبی تحقیقات میں اس طرح کا تناقض وتنوع اور رنگارنگی کا پایا جانا کوئی قابل تعجب امر نہیں، درحقیقت یہ تنوع مختلف ادبی نظریات کی اثر پذیری وکار فرمائی اور ادیب کی ان نظریات کی تقلید کرنے سے معرض وجود میں آتا ہے، کیونکہ جس فکری نظریہ کا ادیب کے عقل ودل پر غلبہ ہوتا ہے وہ اس کے کسی نہ کسی ادبی عمل میں ظاہر ہوتا ہے، اسلامی عربی افسانوی ادب کے سرخیل ڈاکٹر نجیب کیلانی کے یہاں خود اس کی مثال موجود ہے، ان کی ناول نگاری کو دو ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلا دور وہ ہے جس میں وہ دیگر ادبی نظریات سے متأثر ہیں لیکن پھر بھی اسلامی مبادیات وافکار ان کے ناولوں کا حصہ ہیں، لیکن مکمل اسلامی ادب کا نظریہ نہیں پایا جاتا، البتہ دوسرے دور میں ان کا یہ تصور پختہ اور مکمل ہوگیا اور پھر انھوں نے متعدد ناولوں میں نظریہ ادب اسلامی کو تطبیق دینے کی پوری اور اچھی کوشش کی۔(۱)

شیخ محمد قطب نے یہ کہتے ہوئے غیر مسلموں مثلاً ٹیگور وغیرہ کی بھی بعض چیزوں کو اسلامی ادب میں شامل کیا ہے کہ یہ تصور عامی اور انسانی ہے، پوری بشریت اس کو اپنانے میں آزاد ہے، اسی لیے جو جس قدر اپنے میلان کے مطابق کائنات و انسان اور انسانی زندگی کے سلسلہ میں اسلامی تصور کی موافقت کرسکتا ہے تو اسے اس کا اختیار ہے، اسی لیے صرف مسلمانوں کے نمونوں کو ہی نہیں بلکہ جزئی موافقت رکھنے والے غیر مسلموں کے ادبی نمونوں کو بھی انھوں نے شامل کیا ہے۔(۲) لیکن وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پورے طور پر اسلامی نظریہ ادب کی موافقت ایک مسلم ادیب ہی کر سکتا ہے، اس لیے کہ اس کا مزاج مکمل طور پر اس تصور کو اپنانے کی اہلیت رکھتا ہے، اور انسان اس تصور کو تب تک مکمل طور پر اپنا ہی نہیں سکتا جب تک وہ نہ صرف اسلام کو قبول

وہ امن و اطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سوانہوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔"

قرآن کریم کی مختلف آیات میں قوموں کے انجام کو بیان کرنے والے قصص میں یہ ارتباط موجود ہے۔ ایمان و تکذیب کے سلسلہ میں جو نتیجہ ہوا اس کا اشارہ مختلف مقامات پر کیا گیا ہے، مثلاً قوم یونس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ "فلولا كانت قرية آمنت فنفعها ايمانها الا قوم يونس لما آمنوا كشفنا عنهم عذاب الخزي في الحيوة الدنيا ومتعناهم الى حين"۔(۶) "چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نفع ہوتا ہاں مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت خاص تک عیش دیا۔"

اسی طرح یہ آیت بھی دیکھئے "ولقد اخذنا آل فرعون بالسنين ونقص من الثمرات لعلهم يذكرون"۔ (۷) ترجمہ "ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آئے۔"

۳۔ تاریخی ناول کے اسلامی ہونے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اس میں اسلامی تاریخ کے روشن ابواب پر توجہ مرکوز کی گئی ہو، واقعات، شخصیات وغیرہ کو اختیار کرنے میں اس کا خیال رکھا گیا ہو تاکہ تاریخ امید و کوشش کا مصدر ہو، اور ناول نگار ایجابی عمل کا خالق اور مومن نفسیات کی تکوین میں معاون ثابت ہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تاریخ کے تاریک ابواب اور زوال کے واقعات سے اعراض کیا جائے یا تجاہل برتا جائے ہرگز نہیں البتہ ان کو پیش کرنے کے طریقے اور مقدار میں اسلامی تصور کی مکمل موافقت کا خیال رکھا جائے، اس طور پر کہ ان کے پیش کرنے میں کسی اسلامی اصول سے ربط ہو۔

جو منہج الٰہی سے دور ہوتا ہے وہ زوال کی طرف جاتا ہے، یہ اصول اس آیت قرآنی سے مستنبط ہوتا ہے ''إن الله لا یغیر ما بقوم حتی یغیر ما بأنفسهم ''(۸)''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی''۔

۳۔ تاریخی ناول کے اسلامی ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ موجودہ مشکلات یا پیش آنے والے مسائل کو اچھی طرح سمجھنے اور حل کرنے کے لیے تاریخ سے استفادہ کیا جائے، اس طور پر کہ تاریخ میں عبرت کے جو اسباق ہیں ان کو اور اسی طرح شخصیات کے مختلف مواقف کو فن کا پرکشش لبادہ دے کر پیش کیا جائے، ناول وافسانہ نگاری اور کہانی نویسی کی یہ وہ غایت ہے جس کو خود قرآن نے بیان کیا ہے ''لقد کان فی قصصهم عبرة لأولی الألباب''(۹) ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے''فاقصص القصص لعلهم یتفکرون ''(۱۰)''تم یہ حکایات ان کو سناتے رہو شاید کہ یہ کچھ غور وفکر کریں''مذکورہ شرط کے مطابق یہ بات واضح ہوگئی کہ محض تاریخی واقعات وشخصیات کو پیش کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ واقعات اور شخصیات کے مختلف اقدامات سے سامان عبرت اخذ کیا جائے۔

اس نظریہ کے بعد جب تحقیقات میں ان کی تطبیق کی بات کی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد ناول، افسانے اور مختصر کہانیاں Short Stories تاریخ کو بنیاد بنا کر تو لکھی گئی ہیں لیکن ان میں اس نظریہ کو داخل نہیں ہونے دیا گیا ہے، اگرچہ کسی ناول میں تاریخ اسلامی کی کوئی شخصیت پیش کی گئی ہو یا تاریخ اسلام کا کوئی دور پیش کیا گیا ہو، بسا اوقات تاریخ کے بدلتے ادوار کو بھی موضوع بنایا گیا یا تاریخی کشمکش کو موضوع بنایا گیا، اسی طرح قبل اسلام کی تاریخ کو اور فرعونی دور کو بھی موضوع بنایا گیا ہے، ان سب کا تجزیہ کرنا یہاں ہمارا مقصد بھی نہیں کہ یہ اسلامی ہیں یا غیر اسلامی اور یہ

ممکن بھی نہیں، البتہ اس نظریہ کی تطبیق کے لئے ضروری ہے کہ ایک تجزیہ بھی پیش کیا جائے جس سے بات واضح ہو جائے، چنانچہ ایک تو ہم جرجی زیدان کا تجربہ سامنے رکھتے ہیں جس کا اثر آج تقریباً ایک صدی گذرنے کے بعد بھی باقی ہے اور جس کو تاریخی ناول نگاری کا قائد تصور کیا جاتا ہے، دوسرے علی احمد باکثیر کے تجربہ کا تذکرہ کرتے ہیں جو اس نے اپنے مشہور ناول ''وا اسلاماہ'' اور ''سر الاحمر'' میں کیا۔

چنانچہ خود جرجی زیدان کے مطابق اس کے تاریخی ناول تاریخ کے علم کو عام کرنے اور اس کی تعلیم کا شوق پیدا کرنے کے لئے لکھے گئے، اسی لیے وہ تاریخی روایات کی تحقیق پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ تاریخ کو پڑھنے کا شوق ابھارنا اس کے پیش نظر رہتا ہے۔ (۱۱)

ظاہر ہے کہ تاریخ میں وارد روایات و واقعات اور اشخاص پر بدون تنقید اعتماد نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ ایک ناول نگار جو ایک عہد کی تصویر کشی کر رہا ہے یا کسی شخصیت کو پیش کر رہا ہے اس کو من و عن مان لیا جائے، چنانچہ جرجی زیدان کے یہ ناول اس طرح کے قصے ہیں جن میں شخصیات کی مثال ایسے مہروں کی سی ہو جن کو جب جہاں جہاں چاہا جائے اٹھا کر رکھ دیا جائے تو پھر اس پر اعتماد کیسے ممکن ہے. مثال کے طور پر اس نے ''عذراء قریش'' میں حضرت علی کی شخصیت کی تصویر کشی چھ یوں کی ہے کہ وہ انا پرست، سخت گیر و سرکش اور جلد غصہ ہونے والے ہیں جب کہ محمد بن ابی بکر کو کمزور اور فریادی قرار دیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ واجبات پر محبت کو ترجیح دیتے ہیں، جب کہ یہ سب تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہے، ایسے ناول اور ناول نگار کی توثیق کیونکر ممکن ہے، جو اس طرح کی محترم شخصیات کی ایسی مختلف فیہ اور تاریخی حقیقت کو مسخ کرنے والی تصویر کشی کرتا ہو، جرجی زیدان پر نقد کرتے ہوئے محمد یوسف نجم لکھتے ہیں ''کہ اس کا ان تاریخی ناولوں سے صرف ایک مقصد یہ ہے کہ وہ عربوں کی تاریخ کو

آزادانہ اسلوب میں اس طرح آسان بنا کر پیش کرے جس سے عام لوگوں کو اس کے پڑھنے کا اشتیاق ہو، ایسی صورت میں اس کوشش سے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرنے سے کیا غرض، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس مقصد میں پورے طور پر کامیاب رہا ہے۔" (۱۲) جس مقصد میں وہ کامیاب رہا، وہ مقصد بھی یہ ہے کہ نہ صرف اسلامی تاریخ کو مسخ کیا جائے محترم و عظیم شخصیات کی اصل صفات کو مسخ کیا جائے۔

پھر یہ بات بھی بدیہی ہے کہ جرجی زیدان کے ناولوں میں تاریخ کی اسلامی تشریح نہ پائی جائے اس لیے کہ یہ کام پورے طور پر اسی سے ممکن ہے جو اس پر ایمان رکھتا ہو اور اس کا تو عقیدہ ہی اسلامی عقیدے کے خلاف ہے۔

جرجی زیدان کے اس تاریخ کو اپنے ناولوں میں موضوع بنانے میں کوئی جذبہ نیک بھی محسوس نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر وہ اس سلسلہ میں کسی خیر خواہی کا ارادہ رکھتا اور منصفانہ رویہ اختیار کرتا تو وہ ان مواقف، واقعات و اقدامات کو موضوع نہ بناتا جو حساس ہیں یا جن میں وہ سیاسی رجحانات کا ٹکراؤ یا اثر و رسوخ اور قوت و سطوت کے لئے دو گروہوں کا ٹکراؤ ہوتا ہو بلکہ وہ عربوں کی تاریخ کے ان ادوار اور واقعات کو موضوع بناتا جو ہمیشہ عربوں کی تاریخ کے لئے سامان افتخار رہیں گے، (۱۳) وہ اسلامی دعوت کے زمانہ ظہور پر بہت دیر نہیں ٹھہرتا، نہ ہی وہ عہد خلفاء راشدین کی اسلامی فتوحات کی تفصیلات بیان کرتا ہے، جب کہ اس نے خلیفہ سوم کے آخری عہد اور بنی امیہ کی سیاسی کشمکش کو موضوع بنایا ہے، "عذراء قریش" "غادۃ کربلاء"، "الحجاج بن یوسف الثقفی" میں اس نے ان ہی پہلوؤں کو موضوع بنایا ہے، عہد عباسی کے پہلے دور میں سے وہ صرف ابو مسلم خراسانی کی شخصیت لیتا ہے جو عرب و فرس کی کشمکش کی نمائندہ شخصیت ہے، اور ان عباسیوں کو موضوع بناتا ہے جو رشید و برامکہ کی

ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا"

اس آیت سے ناول کو شروع کرنے میں ہی ناول کا موضوع واضح ہوتا ہے، اور اس کے واقعات میں جس جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وضاحت ہوتی ہے، اس ناول کے ذریعہ ناول نگار ان لوگوں کی تردید کرتا ہے جو مصر میں فرعونی تاریخ کے احیاء کے داعی ہیں، ان کے مقابلہ میں وہ اسلامی مصر کی تصویر کشی کرتا ہے، وہ حال و ماضی میں ربط بھی پیدا کرتا ہے، اور تاریخ کی اسلامی تشریح بھی کرتا ہے، اس کے اسلامی ناول ہونے کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تاریخ کی ایک کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے جس سے مسلمانوں سے تاتاریوں اور یہودیوں کی دشمنی ظاہر ہوتی ہے، جبکہ اسی کے ساتھ اس امت کے حقیقی سرچشمہ قوت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، ان عناصر سے مزین یہ ناول ایسے وقت میں منظر عام پر آیا جب کہ فلسطین میں یہودیوں کے ساتھ زبردست معرکہ آرائی ہو رہی تھی، باکثیر نے جہاں اس میں جہاد و مجاہدین کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے وہیں کمزور پہلوؤں سے اعراض بھی نہیں کیا ہے۔

باکثیر کا ناول "الثائر الاحمر" اس سے بھی زیادہ اسلامی تاریخی ناول کا بہترین نمونہ ہے، اس ناول میں اس نے ایک کسان "حمدان قرمط" اور اس کے خاندان کا قصہ بیان کیا ہے جو کہ زمینداروں کے اس اجتماعی ظلم کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا جو عام طور پر زمیندار چھوٹے کسانوں پر کرتے ہیں اور جس کا سیلاب اس کی تالیف کے زمانہ میں عرب ملکوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

باکثیر نے پورے ناول میں حمدان قرمط کی تحریک کی اسلامی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے، ناول کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ کو "سفر" کا نام دیا ہے اور

ہر سفر کا آغاز قرآن کی ایک ایسی آیت سے ہوتا ہے جو کسی نہ کسی قانون وطریقۂ الہی کو بیان کرتی ہے، مثلاً پہلے سفر کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے ''وإذا أمرنا أن نهلك قرية أمرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا'' (۱۷) ''جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں''

ناول کے اس حصہ میں زمینداروں کے ان مختلف انواع اجتماعی ظلم کو بیان کیا ہے جس کے نتیجہ میں ''نعبارین'' کی تحریک قائم ہوئی اور حمدان بھی اسی تحریک کا حصہ بن گیا۔

دوسرا سفر اس آیت سے شروع ہوتا ہے کہ: ''واتل عليهم نبأ الذي آتيناه آياتنا فانسلخ منها فأتبعه الشيطان فكان من الغاوين ولو شئنا لرفعناه بها ولكنه أخلد إلى الأرض واتبع هواه فمثله كمثل الكلب إن تحمل عليه يلهث أو تتركه يلهث ذلك مثل القوم الذين كذبوا بآياتنا فاقصص القصص لعلهم يتفكرون۔'' (۱۸) ''اور اے نبی ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا، مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا، آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا لہذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں تم یہ حکایات ان کو سناتے رہو شاید کہ یہ غور وفکر کریں''۔

اسی طرح تیسرا دور ''إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذي

القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي يعظكم لعلكم تذكرون"
(١٩) "عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی
سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو" (١٩)

چوتھا دوران آیت شروع ہوتا ہے "والله فضل بعضكم على بعض في
الرزق فما الذين فضلوا برادي رزقهم على ما ملكت أيمانهم فهم فيه
سواء أفبنعمة الله يجحدون" (٢٠) "اور دیکھو اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر
رزق میں فضیلت عطا کی ہے پھر جن لوگوں کو یہ فضیلت دی گئی ہے وہ ایسے نہیں ہیں کہ
اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دیا کرتے ہوں تاکہ دونوں اس رزق میں برابر
کے حصہ دار ہو جائیں، تو کیا اللہ ہی کا احسان ماننے سے ان لوگوں کو انکار ہے" اور
"ضرب الله مثلا عبدا مملوكا لا يقدر على شيء ومن رزقناه منا رزقا حسنا
فهو ينفق منه سرا وجهرا هل يستوون الحمد لله بل أكثرهم لا يعلمون،
وضرب الله مثلا رجلين أحدهما أبكم لا يقدر على شيء وهو كل على
مولاه أينما يوجهه لا يأت بخير هل يستوي هو ومن يأمر بالعدل وهو
على صراط مستقيم" (٢١) "اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک غلام
ہے مملوک کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے
خوب روزی عطا کی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے کیا اس قسم کے
شخص برابر ہو سکتے ہیں ساری تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں بلکہ ان میں سے اکثر تو
جانتے ہی نہیں، اور اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں جن میں
ایک تو گونگا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر وبال جان ہے وہ اس کو جہاں
بھیجتا ہے کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں

جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور وہ خود بھی معتدل طریقہ پر ہو"

خاص بات یہ کہ یہ حصہ جن آیات سے شروع ہوتا وہ اس سفر میں بیان کردہ مضمون پر پورے طور پر منطبق ہوتا ہے، باکثیر نے ان تمام حوادث کی اسلامی تشریح پیش کی ہے جن پر یہ ناول مشتمل ہے، اور اس نے تاریخ کو دستور الٰہی کی روشنی میں پڑھا ہے، جیسا کہ اس نے ان اصولوں کو بیان کرنے والی آیت سے ابتدا کی ہے، باکثیر نے ماضی و حال میں ربط پیدا کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی ہے، اس نے معاصر مسلمان کے لیے تاریخ کا ایک ایسا تجربہ پیش کیا ہے جو اس سے بہت قریب ہے، جس کی دور حاضر میں کمیونسٹ دعوت دیتے تھے، باکثیر کا کمال یہ ہے کہ وہ یہودیوں کے فطری کردار کا ذکر کرنا نہیں بھولا کہ ان کا تاریخ میں رونما ہونے والی ہر باطل تحریک کے پیچھے کیسا موثر رول ہوتا ہے، اور یہودی و مارکسی نظریہ میں کتنا گہرا تعلق ہوتا ہے، اس طرح یہ فرق واضح ہو جاتا ہے کہ باکثیر کے تاریخی ناولوں کو کیوں اسلامی اور جرجی زیدان کے ناولوں کو کیوں غیر اسلامی شمار کیا جاتا ہے۔

معاصر صورت حال سے مستفاد اسلامی ناول کے شرائط

یہاں بھی تقریباً وہی شرائط ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا لیکن دونوں ناولوں کے مزاج میں اختلاف کے باعث چند اور شرطیں بھی یہاں ذکر کی جائیں گے۔

۱۔ صورت حال کا اسلامی تصور کے مطابق تجزیہ کرنا: ایک مسلم جب کسی واقعہ پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی نظر دیگر لوگوں سے مختلف ہوتی ہے، اور یہ اختلاف عقائد و نظریات کے اختلاف کے باعث رونما ہوتا ہے، اسی لیے جب وہ معاشرے پر نظر ڈالتا ہے تو وہ نہ ہی اشتراکیت کے علمبرداروں کی طرح طبقاتی نظام کو سامنے رکھ کر نظر ڈالتا ہے اور نہ ہی سرمایہ دارانہ نظام کے نظریات کے پیش نظر صرف جلب منفعت کو ہی سامنے رکھتا

ہے، بلکہ وہ ایمان وکفر کے واضح فرق کو سامنے رکھ کر معاشرے پر نظر ڈالتا ہے، وہ اس سے غافل نہیں ہوتا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے طبقات میں تقسیم کیا ہے ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات (۲۲) ''اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر درجہا فوقیت دے رکھی ہے'' لیکن اس کے باوجود اس کا معیار نظریہ ہوتا ہے کہ ''انما المومنون اخوة'' (۲۳) ''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں''۔

۲۔ معاشرتی مسائل کا اسلامی تصور کے مطابق علاج وحل:

اس شرط کا پہلی شرط سے مضبوط رشتہ ہے، چنانچہ تمام تر معاشرتی اور اجتماعی مسائل پر جب بھی کوئی ادیب نظر ڈالے گا تو طریقۂ علاج کے طور پر اس کا وہ نظریہ سامنے آئے گا جس کا وہ حامل ہوگا، اس لیے اسلامی ناول نگار جب کسی سماجی مسئلہ پر انگلی رکھے گا تو وہ اس کے حل کے لیے وہی طریقہ پیش کرے گا جو اسلامی تصور کے عین مطابق ہو۔

۳۔ دین اور علماء کی نمایاں تصویر کشی:

جب ناول کا پلاٹ معاشرے سے اخذ کر کے تیار کیا گیا ہو تو ضروری ہو جاتا ہے کہ دین اور علماء کی اچھی اور نمایاں تصویر کشی کی جائے، جب کہ عام طور پر فکر اسلامی سے بیر رکھنے والوں کے یہاں ان دونوں کی خراب اور مضحکہ خیز تصویر کشی کی جاتی ہے، اس طور پر کہ زندگی میں دنیوی لذتوں اور عیش کوشیوں کے حصول میں دینی حدود اور علماء دین ہی گویا سب سے بڑا روڑا ہوں۔

حواشی:

۱۔ رحلتی مع الادب الاسلامی، نجیب الکیلانی، ص ۲۰-۴۰۔

۲۔منہج الفن الاسلامی، محمد قطب، ص ۱۸۳--۲۰۰-۲۱۲۔
۳۔مصدر سابق، ص ۱۸۲-۱۸۳۔
۴۔اعراف/۹۶۔
۵۔نحل/۱۱۲۔
۶۔یونس/۹۸۔
۷۔اعراف/۱۳۰-۱۳۶۔
۸۔رعد/۱۱۔
۹۔یوسف/۱۱۱۔
۱۰۔اعراف/۱۷۶۔
۱۱۔القصۃ فی الا دب العربی الحدیث، محمد یوسف نجم، ص ۲۰۱۔
۱۲۔مصدر سابق، ص ۲۰۶۔
۱۳۔تطور الروایۃ العربیۃ، عبد المحسن طہ بدر، ص ۹۳۔
۱۴۔مصدر سابق، ص ۹۳۔
۱۵۔الاسلامیہ والمذاہب الادبیۃ، نجیب کیلانی، ص ۲۵۔
۱۶۔التوبہ/۲۴۔
۱۷۔الاسراء/۱۶۔
۱۸۔الاعراف ۱۲۵-۱۷۶۔
۱۹۔النحل/۹۰۔
۲۰۔النحل/۷۱۔
۲۱۔النحل/۷۵-۷۶۔
۲۲۔زخرف/۳۲۔
۲۳۔حجرات/۱۰۔

فصل ششم

اسلامی افسانوی ادب کے مصادر

سوال یہ ہے کہ ایک مسلم ناول نگار اپنے موضوعات کا انتخاب کہاں سے کرے، کون سے وہ مصادر ہیں جن کو منتخب کر کے وہ اپنے ناولوں کا پلاٹ بنا سکتا ہے، تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس کے لیے زندگی کے تمام پہلو کھلے ہوئے ہیں وہ جہاں سے چاہے اپنا موضوع اخذ کرے، ممکن ہے کہ موضوعات میں مشابہت و مماثلت اور تکرار ہو، لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس کے باوجود صاحب تخلیق کے زاویہ نگاہ کا فرق ضرور ہوتا ہے کہ وہ کس نظریہ سے کس پہلو کو دیکھ رہا ہے۔ گذشتہ صفحات میں قرآن وحدیث میں وارد قصوں میں ہم دیکھ چکے کہ ان میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مختلف مسائل زندگی کو موضوع بنایا گیا، اسی طرح معاشرہ اور مختلف اقدار اور متعدد پہلوؤں پر گفتگو کی گئی، بلکہ قرآن کریم نے انسانی زندگی کے انتہائی حساس یعنی جنسی مسئلہ پر بھی سورۂ یوسف میں روشنی ڈالی ہے۔(۱)

تحقیق طلب بات یہ ہے کہ ان مصادر کا پتہ لگایا جائے جہاں سے اسلامی ناول نگار اور کہانی، افسانہ نویسوں نے دورِ جدید میں اپنے لیے موضوعات کا انتخاب کیا ہے تو بنیادی طور پر ان کے دو مصدر نظر آتے ہیں۔

۱۔تاریخ۔ ۲۔معاصر حالات

۱۔تاریخ:

اسلامی افسانوی ادب کا ایک بہت اہم وزرخیز مصدر تاریخ ہے، یہ اس لیے نہیں کہ معاصر حالات سے چھٹکارا پانے کے لیے تاریخ کے دامن میں پناہ لی جاتی ہے،

بلکہ تاریخ میں غور وفکر کرکے اس سے استفادہ کرتے ہوئے بہتر مستقبل کی تعمیر کرنے کے لیے عبرت کے اسباق حاصل کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ معرفت وعبرت کا حصول اسلامی تاریخی ناول کے مقاصد کا ایک بنیادی جزء ہے، اور ظاہر ہے کہ تاریخ اسلامی کا دامن اس اعتبار سے تنگ نہیں ہے، اس میں مختلف شخصیات قابل ذکر ہیں، مختلف غزوات، بیرونی حملوں اور داخلی کشمکش اور بے شمار واقعات سے سامان عبرت فراہم کیا جاسکتا ہے، پھر اس کا زمانہ بھی بلحاظ طوالت کچھ کم نہیں اور امتداد ووسعت مکانی کے اعتبار سے تو اسلامی تاریخ ساری دنیا پر محیط ہے، بقول علی طنطاوی ''ہماری تاریخ بے مثال ہے، اس میں محبت وفدائیت اور قربانی وشجاعت اور ایمان افروز واقعات کا ذخیرہ ہے، اس سے استفادہ کرتے ہوئے افسانوی ادب اور دواوین وملحمات کا ایک ادبی ذخیرہ تیار کیا جاسکتا ہے، جب ایک فرانسیسی یا ایک انگریز صاحب قلم اپنی باعتبار زمانہ محدود تاریخ سے اپنے ناول کہانیوں میں استفادہ کرسکتا ہے تو پھر ہم کیوں اپنی ضخیم، بے مثال اور روشن تاریخ سے مستفاد ادبی ذخیرہ تیار نہیں کرسکتے''۔(۲)

معاصر اسلامی تاریخی افسانوی ادب میں تاریخ کے اثر سے تین رجحانات پائے جاتے ہیں۔

پہلا رجحان: قرآن کریم سے مستفاد ناول وکہانیاں:

قصص قرآن نے بہت سے اصحاب قلم کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ ان سے استفادہ کرتے ہوئے ناول اور کہانیاں تیار کرکے عہد جدید کی نسلوں کے سامنے اپنے اپنے اسلوب اور اپنی اپنی فنی قدرت وطاقت کے اعتبار سے پیش کریں، اس ضمن میں محمد المجذوب اور عبدالحمید جودۃ السحار کی کوششیں بڑی قابل قدر ہیں۔

دوسرا رجحان: حدیث نبوی سے مستفاد ناول وکہانیاں:

حدیث میں وارد قصوں کو متعدد اصحاب قلم نے موضوع بنا کر متعدد صفحات پر مستقل کتاب تیار کر دی، اس سلسلہ میں متعدد لوگوں نے قابل قدر کوششیں انجام دیں لیکن پھر بھی محمد علی الحسناوی، داؤد العبیدی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

تیسرا رجحان: سیرت نبوی اور تاریخ اسلامی سے مستفاد ناول وکہانیاں:

اسلامی ناول نگاروں نے بڑی مہارت کے ساتھ اسلامی تاریخ کے واقعات وشخصیات اور خود سیرت رسول اور اس کے اولین دور میں صحابہ کرام کی آزمائشوں اور مصائب ومشکلات کا سامنا کرنے کو امت کے سامنے ایک بہترین نمونہ بنا کر پیش کیا ہے، اس رجحان کی نمائندگی کرنے والے ناول کثیر تعداد میں سامنے آئے، اس ضمن میں جلی نام عبدالحمید جودہ السحار کا ہے جنہوں نے ''محمد رسول اللہ'' کے نام سے ایک پورا سلسلہ قصص تیار کیا، جس میں انھوں نے حضرت ابراہیم سے ابتدا کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک سیرت کو بڑی مہارت کے ساتھ ناول کے اسلوب میں بیان کیا ہے، نجیب کیلانی نے ''نور اللہ'' میں سیرت کے ایک حصہ کو موضوع بنایا، فتح مکہ پر ان کا یہ ناول ختم ہو جاتا ہے لیکن اس میں دعوت اسلامی کے خلاف یہود کی سازشوں کو اجاگر کرنے کی اصل کوشش کی گئی ہے۔

پھر اسی طرح عبدالحمید جودہ سحار نے ناول کے اسلوب میں تاریخ اسلام کے اعلام صحابہ وتابعین کا ایک سلسلہ تیار کیا، اور اس میں معنویت کا انوکھا پہلو پیدا کیا، مثلاً انھوں نے اشتراکیت کے مقابلہ میں حضرت ابوذر غفاری کی شخصیت کو پیش کیا، جنھوں نے مساوات کی دعوت دی اور اغنیاء کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ فقراء کا حق اپنے مال میں سے ادا کیا کریں، اسی طرح جہاد وشہادت کے لیے سیدنا حسین کی زندگی، اسلامی

فتوحات کے لیے سعد بن ابی وقاص، اور حاکم کا اسوہ پیش کرنے کے لئے عمر بن عبد عزیز کی زندگی پیش کی، اس ضمن میں نجیب کیلانی، اور عبدالحمید جودہ سحار کے متعدد ناولوں اور کہانیوں کے علاوہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت باشا اور محمد المجذوب اور متعدد لوگوں کے نام ذکر کیے جاسکتے ہیں۔

۲۔ معاصر حالات:

عہد جدید میں معاصر حالات وسماج سے موضوعات اخذ کرکے اصحاب قلم نے ناول وکہانی کے اسلوب میں ایسے تجربات پیش کیا جن میں مسلمانوں کی صحیح حالت کی تصویر کشی بھی ہوتی ہے، اور ساتھ ہی مرض کی نشاندھی، قضیہ کا تجزیہ اور علاج وحل بھی ملتا ہے، موضوعات کے اس مصدر کے اثر سے بھی تین رجحانات سامنے آئے۔

پہلا رجحان:

وہ ناول اور کہانیاں جن میں معاصر اسلامی قضیوں کو موضوع بنایا گیا ہے، مثلا نجیب کیلانی نے اپنے ناول ''الظل الاسود'' میں ایتھوپیا کے مسائل سے بحث کی ہے، ''لیالی ترکستان'' میں روس وچین کے جبر واستبداد کو موضوع بنایا ہے، ''عمالقه الشمال'' میں نائیجیریا میں مسلمانوں کی حالت زار پر روشنی ڈالی ہے، ''عذراء جاکرتا'' میں انڈونیشیا میں مسلمانوں نے جس طرح شیوعیت کا سامنا کیا اس پر گفتگو کی ہے، ''رمضان حبیبی'' میں ۱۹۷۳ء میں عرب اسرائیل کی کشمکش پر روشنی ڈالی ہے، ''ارض الانبیاء'' میں ۱۹۴۸ء کے واقعات فلسطین کو بیان کیا ہے، ''عمر یظهر فی القدس'' میں قضیہ فلسطین کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر پیش کیا ہے، اس رجحان کو ناول کا روپ دینے والے تو وہ اکیلے نظر آتے ہیں جب کہ کہانیوں Short Stories میں اس رجحان کو پیش کرنے والے متعدد اور بھی اصحاب قلم ہیں۔

دوسرا رجحان: دعوت اسلامی سے مستفاد ناول وکہانی:

دعوت اسلامی کی موجودہ حالت سے مستفد بھی متعدد ناول وکہانیاں لکھی گئیں، جن میں اصل دعوت اسلامی اور اس کے ساتھ ظاہر ہونے والے دیگر مختلف فکری رجحانات کی کشمکش کو بیان کیا گیا۔

تیسرا رجحان: معاصر سماجی صورتحال سے مستفاد ناول وکہانی:

اس رجحان کی نمائندگی بھی متعدد اسلامی ادباء نے کی اور انھوں نے اپنے معاشرے کی صورت حال سے ناول اور کہانیوں کے لئے موضوعات تلاش کیا اور پھر ان کے ذریعہ ایک مسلم فرد اور ایک مسلم خاندان کے تجربات کی تصویر کشی کی اور ساتھ ہی ان کی وہ معاشرتی تصویر پیش کی جو ایک اسلامی ادیب اسلامی نقطہ نظر سے تیار کرتا ہے، اس رجحان کی نمائندگی مختصر کہانیوں Short Stories میں زیادہ ہوئی البتہ اسلامی سماجی ناول صرف ایک ہی اب تک وجود میں آسکی اور وہ عزیزہ الابراشی کی ''اصلاح'' ہے (۳)، ان کہانیوں کے مجموعوں میں جو مسائل اور موضوعات زیادہ تر زیر بحث آئے ان میں:

۱۔ عہد جدید میں مسلم عورت کا قضیہ

۲۔ مسلم خاندان اور اس کی تعمیری بنیادیں

۳۔ آزادی نسواں کے آثار ونتائج کی تصویر کشی

۴۔ مختلف قسم کے سماجی دباؤ اور مسلمان

۵۔ دینی صورت حال کی تنقید

ان مختصر کہانیوں کے متعدد مجموعوں میں ان مذکورہ بالا مسائل سے بحث کی گئی ہے، عہد جدید کی تبدیلیوں اور بدلتی اقدار و مغرب کی تہذیبی یلغار سے مسلم عورت کو

جو مسائل درپیش ہوئے انھیں ان کے اسلامی حل کے ساتھ پیش کیا گیا، اسی طرح مسلم خاندان کی صحیح تعمیری بنیادوں کو پیش کیا گیا، اور غلط طریقوں کے سبب پیش آنے والے مسائل کی نشاندہی کی گئی، اسی طرح مغربی تحریک آزادی نسواں کے سبب بعض مسلم سوسائٹیز میں عورت کی آزادی اور اس کے دائرہ عمل کے سلسلہ میں فکر اسلامی کے خلاف جو تبدیلیاں پیدا ہوئیں یا ان کے نتائج رونما ہوئے ان کی اسلامی ادباء نے بھر پور تنقید کی، دینی اور مذہبی صورت حال نیز طریقہائے تربیت کو بھی موضوع بنایا گیا اور متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔

حواشی:

۱۔ فی ظلال القرآن، سید قطب ۱۹۵/۴۔

۲۔ علی طنطاوی، قصص من التاریخ، ص ۹۔

۳۔ یہ کتاب یعنی ''خصائص القصۃ الاسلامیہ'' خود ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی جب ادب اسلامی کی تحریک کو عرب ممالک میں زور پکڑے ہوئے تین چار سال کی مدت گذری تھی یہ اس وقت کی بات ہے ورنہ اب تک سماجی مسائل پر مشتمل متعدد اسلامی ناول وجود میں آچکے ہیں جس کا تذکرہ نجیب الکیلانی کی ''منہج القصص الاسلامی المعاصر'' ڈاکٹر عبد الباسط بدر کی ''دلیل مکتبۃ الادب الاسلامی'' اور احمد الجدع کی ''معجم الادباء الاسلامیین المعاصرین'' میں ملتا ہے (ط)

فصل ہفتم

اسلامی افسانوی ادب کی خصوصیات

اس سے قبل کہ ہم معاصر اسلامی افسانوی ادب کی خصوصیت کا ایک عمومی جائزہ پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسلامی افسانوی ادب کے دونوں سرچشموں یعنی قصص قرآن اور قصص حدیث کی ان خصوصیات کا ذکر کریں جن سے معاصر اسلامی افسانوی ادب کی خصوصیات عبارت ہیں

ا۔ قصص قرآنی کی خصوصیات:

(الف) قصہ کی فنی ہیئت کا اس مقصد سے مرتبط ہونا ضروری ہے، جس کے حصول کی کوشش کی جارہی ہے(۱):

قصص قرآن کے مقاصد میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ ان سے حضورؐ کی تربیت اور اصحاب کرام کی تربیت مقصود تھی اسی طرح ان کا مقصد کفار کی ترھیب بھی تھا، واضح طور پر ان مقاصد کو ان قصوں میں محسوس کیا جاسکتا ہے، جو خاص طور پر سورہ یونس، ہود اور یوسف میں بیان کیے گئے ہیں، حضورؐ کے لئے وہ دور انتہائی مشکل تھا جب آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ اور شفیق چچا ابوطالب کا انتقال ہوگیا، اس دوران یہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں ایسے قصے بیان کیے گئے جو غم کو دور کرنے والے اور دل کو ثبات عطا کرنے والے اور یہ واضح کرنے والے ہیں کہ اللہ ہی حامی و ناصر ہے، اور وہی اپنے نبی اور مومنین کو مصائب سے نجات دینے والا ہے جیسا کہ اسی نے پہلے مسلمانوں کو نجات دی۔ (۲)

اسی طرح اگر ہم موسیٰ سے متعلق قصوں کے پلاٹ میں غور کریں تو معلوم ہوتا

ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات میں گونہ مشابہت ہے، چنانچہ موسیٰ کا شہر سے چھپ کر ڈرتے ہوئے نکلنا پھر مدین کی طرف ہجرت کرنا اور وہاں ایک ٹھکانہ پانا پھر ان کی واپسی اور رسالت سے سرفرازی اور پھر فرعون کے پاس ظاہری معجزات کی تائید کے ساتھ جانا (۳) وغیرہ ایسے اجزاء ہیں جن میں رسول پاکؐ کے مدینہ ہجرت کرنے پھر وہاں انصار سے پذیرائی ملنے سے مشابہ ہے۔ اسی طرح پھر وہاں آپ کو قوت، طاقت کا حاصل ہونا اور فاتحانہ مکہ میں داخل ہونے میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے، تفصیل سے گریز کرتے ہوئے قصہ کی ہیئت اور مقصد میں ارتباط کا ایک مظہر قصص قرآن میں یہ بھی ہے کہ ان کی ابتدا بہت مختلف ہے، کبھی تو کوئی قصہ ولادت یا اس سے قبل سے شروع ہوتا ہے، جیسے عیسیٰ کا قصہ کیونکہ یہاں اللہ کو اپنی قدرت وصفت کا مظاہرہ کرنا مقصود ہے اسی طرح زکریاؑ کی بانجھ بیوی اور ابراہیمؑ کی عمر دراز اہلیہ کو اولاد عطا کرنا اور موسیٰؑ کی حفاظت وغیرہ کے واقعات اسی قبیل سے ہیں، کبھی کوئی قصہ جوانی کا تذکرہ کرتے ہوئے شروع ہوتا ہے، جیسے ابراہیمؑ کا واقعہ بیان کیا گیا ،کبھی بچپن کے تذکرے سے واقعہ شروع ہوتا ہے جیسے یوسفؑ کا قصہ اور بسا اوقات قصوں کی مرکزی شخصیت کا تذکرہ ایک عمر تک پہنچ جانے کے بعد ہی کیا گیا یعنی رسالت عطا کرنے کے بعد جیسے نوحؑ، صالحؑ، شعیب اور ہود علیہم السلام۔

(ب) قصص قرآن فنی قصے ہیں، اور فن کا مقصد بات کو پیش کرنے میں ندرت وجدت، نسق میں خوبصورتی اور قوت ادائیگی ہے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے، جس کو خیال وانکل اور اختراع کے ساتھ ظاہری بناوٹ پر ہی اعتماد کرنا پڑے، (۴) چنانچہ قرآنی قصے ایسے فنی عناصر پر مشتمل ہیں جن کو محض ایک خبر پر مشتمل حکایت نہیں کہا جا سکتا، جو صرف ایک فکر یا ایک حادثہ کو بیان کرنے کے لیے نقل

کردی گئی ہو، اختصار و طوالت کا لحاظ کرتے ہوئے ہر جگہ شخصیت، پلاٹ، مکالمہ، زمان و مکان اور فکر نمایاں ہیں اگر چہ ہر جگہ ان میں سے ہر عنصر کے ظاہر ہونے میں تفاوت ہے، ان سبھی قصوں کی بنیاد کشمکش پر ہے اور یہ کشمکش کبھی تو انسانی نفس میں خیر و شر پر مبنی ہوتی ہے اور کبھی انسان اور شیطان کی کشمکش ہوتی ہے، (۵) قصص قرآن کو پیش کرنے والے اسلوب کا مختلف ہونا، اس کی ابتداء انتہا اور تمہید میں تنوع ہونا پھر مختلف کڑیوں کو مختلف جگہ پیش کرنا از خود فنیت کی دلیل ہے۔

(ج) قرآنی قصص میں حقیقت نگاری کا پایا جانا ان کی ایک اہم ترین خصوصیت ہے، یہ قصے انسان کی طبیعت کی عکاسی کرنے کے ساتھ جس طرح وہ روح اور مٹی سے مکون ہے اسی طرح اس کی تصویر کشی بھی کرتے ہیں، اس کی حقیقی اور واقعی تصویر کشی کا عالم یہ ہے کہ نہ تو یہ قصے انسان کی موہوم اور جھوٹی تصویر کشی کرتے ہیں اور نہ ہی ایسی شفاف کہ گویا وہ ہر نقص و عیب سے پاک ہو، یہ واقعیت انتہائی کامل و شامل اور شفاف و ایجابی ہے، وہ انسان میں پائی جانے والی برائی اور عیب کی نشاندہی کرتی ہے، پھر وہ انسان کی ترقی اور اسے بلندی پر لے جانے کے لیے کوشش کرتی ہے، اور ان عیوب سے چھٹکارا پانے کے لیے طریقے فراہم کرتی ہے، ایک طرف یہ واقعیت حضرت آدم کے گناہ کا ذکر کرنے سے گریز نہیں کرتی مگر دوسری طرف فوراً ہی ان کی توبہ و انابت و نجات کا تذکرہ کرتی ہے، اس طرح کی اور بھی مثالیں ہے مثلاً حضرت نوح کا بیٹے کی نجات کے لئے سوال کرنا اور پھر فوراً اس کمزوری سے چھٹکارا حاصل کر لینا وغیرہ۔

(د) قرآنی قصوں میں التزام کا پایا جانا ان کی ایک اہم خصوصیت ہے، بلکہ ہم اس خصوصیت کے پیش نظر یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآنی قصے وہ قصے ہیں جن سے پہلی بار عربی زبان میں قصوں میں التزام کا مفہوم واضح ہوا، یعنی قصوں میں اسلامی التزام کی وہ

خشت اول ہیں، ان ہی قصوں نے ادب کا پیغام متعین کیا، کہ ادب کا بنیادی وظیفہ اور اساسی کام یہ ہے کہ وہ پوری انسانیت کو خیر کی دعوت دے اور غلط آرا، خراب عادات اور باطل عقائد سے دور کرے۔(۶)

قصص قرآن میں التزام کا عالم یہ ہے کہ موضوعات، کردار اور پلاٹ سب میں التزام پایا جاتا ہے، چنانچہ ان قصص کے موضوعات کا اصل محور انسان ہے، اس کی زندگی اور اس کے وجود کی غایت اور وہ طریقہ جس پر وہ چلے اور وہ انجام جس تک اس کو پہنچنا ہے ان سب کو بیان کیا گیا ہے، پھر اس کے طریقہ علاج میں بھی انسان کی ہدایت کا التزام ہے اور اس کے لیے مختلف طریقے بیان کیے گئے ہیں، پھر شخصیات کے اختیار میں وہ التزام ہے جس سے انسان کی ہدایت کا سامان فراہم ہو سکے اسی لیے یہ قصے کسی شخصیت کی سیرت نہ بیان کر کے اس کی زندگی کی وہ کڑیاں بیان کرتے ہیں جن میں نمونہ وعبرت کا سامان ہے۔

(ہ) قصص قرآن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سچے قصے ہیں اس میں وارد شخصیات اور زمان ومکان سب حقیقی سچ ہیں، جن کا وجود تاریخی اعتبار سے بالکل ثابت ومحقق ہے، ان میں کسی طرح کی پلاٹ سازی اور بناوٹ نہیں ہے، یہ الگ بات کہ قرآن کریم کی بیان کردہ کوئی خبر یا کسی شخصیت کا ذکر اگر تاریخ انسانی میں نہیں ہے تو اس سے قرآن کے صدق پر کوئی حرف نہیں آتا اس لیے کہ قرآن کریم خود تاریخ انسانی کے لیے حجت ہے(۷)، کیونکہ وہ ایک حکیم وہ وباخبر معبود کا نازل کردہ ہے، اور وہ واحد ایسی قطعی دینی نص ہے جس کا تحریف سے پاک ہونا تاریخ انسانی میں مسلم ہے۔

قصص نبوی کی خصوصیات:

نبوی قصوں میں متعدد ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کے سبب یہ قصے

ممتاز نظر آتے ہیں، بلکہ یہ خصائص قرآن کریم میں وارد قصوں کی طرح ان میں مشترک ہیں، اور پھر یہ بھی وحی الٰہی کا ہی حصہ ہیں اس لیے قدر مشترک کے وجود میں کوئی تعجب بھی نہیں، قصص نبوی کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) نبوی قصوں میں افسانوی ادب کی فنی خصوصیات موجود ہیں، چنانچہ ان کو پیش کرنے میں جمالیاتی پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے، کلام کی ترتیب اور نسق کی خوبصورتی بھی موجود ہے، قوت ادا خوب پائی جاتی ہے، ان میں تحریک، تشویق اور اسالیب کا تنوع پایا جاتا ہے جو قاری کو انتہا تک پڑھنے پر مجبور کرتا ہے، چنانچہ کبھی تو قصہ کسی تمہید سے شروع ہوتا ہے، پھر اس میں کچھ تعقید ہوتی ہے اور پھر مشکل کا حل پیش کیا جاتا ہے، اور کبھی اس کے برعکس مصیبت و مشکل کا تذکرہ پہلے ہوتا ہے اور اس کے پلاٹ سے اس مشکل کے حل کے طریقے روشن ہوتے جاتے ہیں، فنی مظاہر میں سے ایک مظہر ان میں یوں ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں بعض قصے طویل اور بعض بہت چھوٹے ہیں، اسی طرح مدت زمانی اور مکانی حدود کے استعمال میں بھی تنوع ہے، ان میں سے بعض تو مختصر کہانی سے بہت مشابہ ہیں اور بعض امتداد زمان و مکان اور پلاٹ کے تنوع نیز شخصیات کے تعدد کے سبب ناول سے قریب تر ہیں۔

(ب) حدیث شریف میں وارد قصے حقیقت نگاری سے عبارت ہیں، کیونکہ یہ ان ہی امور کی خبر دیتے ہیں جو وقوع پذیر ہو چکے ہیں، اور ان ہی شخصیات کو کردار بناتے ہیں جن کا وجود مسلم ہے، ان میں پائی جانے والی شخصیات میں نہ اختراع ہے اور نہ ان کے پلاٹ میں کوئی بناوٹ، ان کی حقیقت نگاری قرآنی قصوں کی حقیقت نگاری کے مثل ہے، موضوعات کے اختیار کرنے نیز ان کا حل پیش کرنے اور کردار کی ادائیگی میں حقیقت نگاری ہی ان کی اصل خصوصیت ہے، یہ قصے انسان کے اپنے مقام و معیار سے

گرنے اور پھر رفعت و بلندی کے مراحل طے کرنے اور قبولیت کے مدارج پر پہنچنے کے بیان میں خاص حقیقت نگاری سے کام لیتے ہیں، حقیقت نگاری ان قصوں میں مثالی ہونے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ بھی ہے، چنانچہ اس میں جنسی تصور کا تذکرہ ضرور ہے، لیکن اس طور پر نہیں کہ اس سے شہوانی جذبات کو تقویت ملے بلکہ بقدر ضرورت اس کا تذکرہ پاکیزگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا اور پھر قصے کا رخ اصل مقصد کی طرف موڑ دیا گیا۔

(ج) قصص نبوی میں بھی التزام قصص قرآن کی طرح ہی پایا جاتا ہے، چنانچہ ان کے تمام موضوعات اسلامی عقائد و اخلاق سے ہی مستفاد ہیں اور ان کو بیان کرنے میں بھی تعلیم عقائد و اخلاق کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے، طریقہ ادا بھی مکمل التزام سے عبارت ہے، کیونکہ تعبیر کی خوبصورتی اور تاثیر کے ساتھ پاکیزگی کا عنصر پورے طور پر پایا جانا قوی التزام کی دلیل ہے، اسی طرح یہ التزام شخصیات در مواقف و نظریات کو پیش کرنے میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

معاصر اسلامی افسانوی ادب کی خصوصیات:

گذشتہ سطروں میں ہم نے اسلامی افسانوی ادب کے دونوں اولین مصدر کی خصوصیات بیان کیں، اب ان کی روشنی میں ہم معاصر افسانوی ادب کی خصوصیات کا جائزہ پیش کریں گے، ظاہر ہے کہ یہاں نہ تو استقصاء مقصود ہے، اور نہ ہی تعیین کے ساتھ ان خصوصیات سے مزین ناولوں، افسانوں اور مختصر کہانیوں کو پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ دور جدید کا اسلامی عربی ادب اس بات کا شدید محتاج ہے کہ اس کا گہرائی کے ساتھ تنقیدی مطالعہ کیا جائے، اور اس کی جڑوں کو مضبوط کیا جائے نیز اس طرح اسے عام کرنے کی مبارک سعی بھی ہو، (۸) معاصر اسلامی افسانوی ادب کی تین بنیادی خصوصیت ہیں:

(الف) معاصر اسلامی افسانوی ادب میں فنی مظاہر کا وجود

(ب) معاصر اسلامی افسانوی ادب میں حقیقت نگاری

(ج) معاصر اسلامی افسانوی ادب میں التزام

(الف) معاصر اسلامی افسانوی ادب میں فنی مظاہر کا وجود:

بعض لوگ ادب کو اسلامی رنگ دینے Islamization of literature کے ذریعے یہ دعویٰ کرتے ہیں یا پھر ان کی بنیاد مطلق یہ ہوتی ہے کہ اگر ادب کو کسی خاص فکر کی دعوت کا وسیلہ بنایا گیا تو اس میں کمزوری پیدا ہوگی اور فنیت مجروح ہو جائے گی۔(۹) اس بات کو اس سے تقویت ملتی ہے کہ کوئی کہنے والا یوں کہتا ہے کہ ادبی تخلیق میں فن پر موضوع مقدم ہے، لہٰذا ادیب کے لیے ضروری نہیں کہ وہ فنی حدود کا بہر حال لحاظ کرے۔ لیکن صحیح بات وہ ہے جو ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

ادب اسلامی کے سبھی داعی فنی پہلو کو نکھارنے کی پرزور تاکید کرتے ہیں، ان کے نزدیک ادبی عمل کی قیمت میں فنی مظاہر کا بڑا کردار ہے، محمد قطب لکھتے ہیں ''محض موضوع کسی کام کی نوعیت کو متعین نہیں کرتا خواہ وہ فنی ہو، یا غیر فنی بلکہ اس کی نوعیت کی تعیین موضوع کو برتنے کے طریقے سے ہوتی ہے'' (۱۰) اور ظاہر ہے کہ فن انسانی کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے، خون جگر سے فن کو جس قدر سیراب کیا جاتا ہے، اسی قدر اس میں نکھار آتا ہے، چنانچہ تمام داعیان ادب اسلامی کا کہنا ہے کہ ادیب کی ذمہ داری ہے کہ وہ فن کو اسلامی تصور سے مرتبط کر کے ایسے ادب کی تخلیق کریں جو خوب رواج پائے اور فکر و سلوک کی تبدیلی میں معاون ثابت ہو، نجیب کیلانی لکھتے ہیں ''کہ میں اپنے اسلامی بھائیوں سے کہتا ہوں کہ اگر وہ قلم اٹھائیں تو کچھ ٹھیک سے اٹھائیں لیکن فنی اور جمالی پہلو جوش و جذبے سے مغلوب نہ ہونے پائے بلکہ انھیں چاہئے کہ مقبول ترین فنی

بنیادوں کو برتتے ہوئے ایسے ادب کی تخلیق کریں جو خوب پڑھا بھی جائے، اور ہماری منشاء کے مطابق فکر و سلوک کی تبدیلی میں معاون ثابت ہو"(۱۱)

یہ اور اس طرح کی بے شمار عبارتیں ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلامی ادب کے نمائندوں کے یہاں فن کی بڑی اہمیت ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اصل شے غایت ہے، اور حصول غایت کے لیے فنی شکلوں کی حیثیت محض قالب اور خاکہ کی ہے، چنانچہ اسلامی ناول نگار اور کہانی و افسانہ نویس کے لیے میدان خالی ہے، کہ وہ اپنے اسلامی افکار اور دعوتی مقاصد کو فنی قالب میں ڈھال کر قارئین کے سامنے پیش کریں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر فنی مہارت کے بغیر اسلامی مضمون کو ناول وافسانہ کے قالب میں پیش کیا گیا تو اس کی قدر و قیمت کی تعیین میں بڑی مشکل پیش آئے گی، جس کی ایک وجہ بہر حال اس کی فنی کمزوری ہوگی، جب کہ اس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ جب اسلامی موضوعات کو پوری فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تو بھی اس کو آسانی سے تسلیم نہیں کیا جاتا، کیونکہ دنیا کی طرح ادب کی بھی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو فکری فساد اور باطل نظریات کو ادب کی راہ سے لوگوں میں بالخصوص نئی نسلوں میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔

افسانوی ادب میں فنی مظاہر کے طور پر سب سے زیادہ اہمیت فنی ہیئت کو دی جاتی ہے، جس کے سبب ایک ادیب کی فنی مہارتوں کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کے مقام کی تعیین ہوتی ہے، اس خصوصیت کے لحاظ سے مختلف اسلامی ادباء نے اپنی تخلیق کی مہارتوں کا ثبوت دیا ہے، ناول نگاری میں فنی تکنیک کو خوبصورتی سے برتنے میں جو لوگ کامیاب ہوئے ہیں ان میں عبد الحمید جودۃ السحار کے تاریخی ناول اور علی احمد باکثیر کے دو مشہور زمانہ ناول "واسلاماہ" اور "الثائر الأحمر"، نجیب کیلانی کے

متعدد ناول مثلاً ''النص الاسود'' اور ''رمضان حبیبی'' اور ''عذراء جاکرتا'' وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ ادب اسلامی کے مکتبہ میں متعدد ایسے ناول ہیں جو فنی شکل کے لحاظ سے مکمل ہیں اگرچہ نجیب کیلانی کا ناول ''عمر یظہر فی القدس'' اور علی احمد باکثیر کے ناول ''الثائر الاحمر'' کو نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

فنی ہیئت کے اعتبار سے ممتاز اسلامی مختصر کہانیوں کی اسلامی ادب عربی کے مکتبہ میں کمی نہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے بہترین نمونہ عبدالحمید جودہ السحار نے ''وسوسة الشیطان'' میں پیش کیا ہے، پھر ابراہیم عاصی کی ''موعظة جدیدة'' اور ان ہی کی ''و بهار'' اور عبداللہ طنطاوی کی ''ست شاعر'' وغیرہ قابل ذکر ہیں، تقلیدی فنی ہیئت سے آگے بڑھ کر عربی اسلامی ادیبوں نے نئے اسلوب میں بھی طبع آزمائی کی ہے، اس سلسلہ میں محمد السید اور محمد الحسناوی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(ب) معاصر عربی اسلامی افسانوی ادب میں حقیقت نگاری:

حقیقت پسندی یا حقیقت نگاری کے لئے عربی میں ''الواقعیۃ'' کا لفظ مستعمل ہے، یہ بذات خود ایک ادبی نظریہ کی نمائندہ اصطلاح ہے، یہی نہیں بلکہ اس کے اور بہت سے مطالب ہیں جن پر یہ اصطلاح دلالت کرتی ہے، مغربی تنقید کی تاریخ میں ایک مستقل ادبی اسکول کے علاوہ متعدد ادبی رجحانات میں حقیقت نگاری کا مطالعہ کیا گیا ہے، (۱۲) مشہور ناقد محمد مندور کے مطابق واقعیت و حقیقت نگاری Realism کو جتنے نام دیے گئے اور جس قدر اس کی تعریفات کی گئیں اس کا مشاہدہ و تجربہ کسی ادارہ ادبی اسکول کو نہ پہلے ہوا اور نہ بعد میں، دسیوں قسم کی حقیقت نگاری کی الگ الگ لوگ دعوت دیتے ہیں اور ہر دو حقیقت نگاری ہی لیتے ہیں۔ (۱۳)

بہرحال یہاں ہم کو نہ حقیقت پسند نظریہ ادب سے کوئی بحث ہے اور نہ کسی اور

نظریہ کے حاملین سے جو اپنے اپنے نقطہ نظر و حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کرنے کے داعی ہوں، ہمارا یقین تو یہ ہے کہ اسلامی حقیقت نگاری تمام قسم کے حقیقت پسند نظریات سے الگ اور بے مثال ہے، بلکہ اسلامی حقیقت پسندی ایک اعلیٰ وارفع نمونہ ہے، کیوں کہ اس میں انسان کے لیے ایک متوازن تصور ہے، اسلامی حقیقت نگاری میں انسان کو روح و مادہ کا مرکب تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح اس میں محسوس وغیر محسوس کو جمع کیا جاتا ہے۔

ہم نے قصص قرآن کی خصوصیات اور قصص حدیث میں بھی اسلامی حقیقت نگاری کے نقوش ملاحظہ کیا، اب اگر ان ہی کی روشنی میں عہد جدید کے عربی اسلامی ناولوں اور کہانیوں میں اس کے اثرات تلاش کریں تو مکتبہ ادب اسلامی میں ایک بڑی تعداد ایسے ناولوں اور مختصر کہانیوں کی ہے جو اسلامی واقعیت سے عبارت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی حقیقت نگاری مثالی ہے، اس لیے کہ وہ انسان کی صحیح صورت حال کی تصویر کشی کرتی ہے، حتیٰ کہ اس کے ضعف کا اقرار کرتی ہے، لیکن اس کو بڑھا چڑھا کر نہیں بیان کرتی اور نہ ہی اس کو کوئی بہادری سمجھتی ہے، بلکہ اسلامی حقیقت نگاری کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بچ کر نکل جائے، اسی کے لیے انسانی کمال کے واقعات بیان کرتی ہے، اور ہر انسان کے لیے اس کی حسب طاقت بلندی کے مراتب پر جانے کے راستے کھولتی ہے، پھر اسلامی حقیقت نگاری میں ایسی توسع ہے کہ وہ موضوعات و شخصیات کے انتخاب میں تنوع کا ثبوت دیتی ہے، چنانچہ اسی لیے ہمارے عربی اسلامی ادب کے ذخیرہ میں تاریخ سے مستفاد ناول وکہانی کے ساتھ موجودہ صورتحال سے مستفاد افسانوی ادب بھی موجود ہے، ایسے ادبی نمونے بھی ہیں جن کا موضوع ایک فرد سے مستفاد ہے، اور اسلامی حقیقت نگاری سے مزین ایسے نمونے بھی ہیں جو متعدد سماجی پہلوؤں سے مستفاد ہیں، اسلامی حقیقت نگاری کے

اسی توسع کا نتیجہ ہے کہ ہمارے اسلامی ناولوں اور افسانوں میں عورت کا محض وہی روایتی کردار نہیں ہوتا، بلکہ کہیں اس کو مثالی ماں بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور کہیں ایک زوجہ کے حوالے سے اس کا کردار ہوتا ہے، کہیں بہن کی شکل میں اس کا کردار ہوتا ہے، پھر اگر کہیں کسی عورت کے گھٹیا کردار کو بیان کیا جاتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس سے اس کردار کو رواج دیا جائے بلکہ اس کے ان رذائل میں گرنے کے اسباب وانجام کو بیان کیا جاتا ہے، یہیں سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اسلامی حقیقت نگاری صاف ستھری اور پاکیزہ ہے، وہ شر اور رذائل کے تذکرے سے احتراز تو نہیں کرتی لیکن اس کے ذکر میں زیادہ دلچسپی بھی نہیں دکھاتی تاکہ وہ کسی فتنہ کا پیش خیمہ، شہوانیت کو بھڑکانے کا ذریعہ اور لذت کوشی کا سبب نہ بن پائے۔

اسلامی حقیقت نگاری کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ ایجابی پہلو کو روشن کرتی ہے، وہ انسان کو مجبور محض اور بے ارادہ نہیں بناتی بلکہ ہر چیز کا سبب بیان کرتی ہے، وہ انسان کو یاس وقنوط کے بند دروازوں کے سامنے کھڑا نہیں چھوڑتی بلکہ سخت ترین حالات جب کہ انسان پر یاس وقنوط کی حالت غالب آنے کے روشن امکانات ہوں تو وہ انسان کے لئے راہیں کھولتی ہے، ہمارے عربی کے افسانوی ادب میں اس کے ایسے نمونے موجود ہیں جو تربیت وتعلیم اور دعوتی لحاظ سے عصر حاضر کی ضرورت ہیں، عبد الحمید جودہ السحار اپنی مختصر کہانیوں کے مجموعہ "همسات صباحیہ" کی ایک کہانی "وسوسة الشيطان" میں "صلاح" (کردار) کی تصویر کشی کرتے ہیں جو کہ گمراہی کے راستہ پر چل پڑتا ہے، جس کی ابتدا اس کی پڑوسن پر نظر پڑنے سے ہوتی ہے، اور بالآخر وہ اپنی زوجہ کو گھر میں سوتا چھوڑ کر پڑوسن کے کمرے میں کود پڑنے کا مکمل ارادہ کر لیتا ہے، دور جدید کے حالات اور افسانوی ادب کو نظر میں رکھتے ہوئے دیکھیے کہ

جب انسان گناہ کرنے کی ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو، اس وقت فاضل افسانہ نویس نے اس کا رخ توبہ کی طرف کس طرح موڑ دیا، وہ لکھتے ہیں "صالح نے گناہ کو دھو ڈالنے کی ٹھانی، وہ ایسے چلا جیسے بہت غمزدہ اور تھکا ہوا ہو، وہ اپنے آپ کو حقارت سے دیکھ رہا تھا اور اپنی کمزوری پر تعجب کر رہا تھا، اس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہوئی آواز سنی گویا بہت دور دراز سے آتی ہوئی سرگوشیوں کی آواز ہو لیکن اس کے کانوں تک پوری وضاحت وقوت کے ساتھ پہنچ رہی تھی، اور اس آواز میں عجیب سی مٹھاس تھی" كل ابن آدم خطاء وخير الخطائين التوابون "آدم کی تمام اولاد خطا کرنے والی ہے لیکن بہترین خطاکار توبہ کرنے والے ہیں، چنانچہ اس کے آنسو جاری ہوگئے اور اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اللهم إني أستغفرك وأتوب إليك اے اللہ میں تجھ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ ہی سے توبہ کرتا ہوں۔" (۱۴)

یہ تو ایک مثال ہے ورنہ جانے کتنے ایسے ناول وافسانے ہیں جو اسلامی حقیقت نگاری کی پاکیزگی، توسع اور ایجابی صفت سے آراستہ ہیں، اس کی ایجابیت کا ایک پہلو اور بھی ہے کہ جب وہ غموں کی تصویر کشی کرتی ہے تو اس طرح کہ انسان ناامیدی کی گود میں نہ گرنے پائے بلکہ اس کے سامنے امیدوں کی کرن روشن ہو اور اس طرح زندگی تمام تر آلام ومصائب کی بھیڑ میں چلتی رہے، اس کی بہترین مثال نجیب کیلانی نے اپنے ناول "ليالي تركستان" میں پیش کی ہیں۔

(ج) معاصر عربی اسلامی افسانوی ادب میں التزام:

معاصر ادب میں التزام کی اصطلاح بہت رائج ہوئی، تقریباً ہر نظریہ کے حامیین نے التزام کی صدا بلند کی بالخصوص وجودی اور مارکسی نظریہ ادب کے لوگوں نے بہت شدت کے ساتھ التزام کی دعوت دی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ادب میں ادیب

کے لیے التزام کی گنجائش ہے؟ ظاہر ہے کہ تاریخ ادب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ التزام ہر نظریہ کی اساس ہے، اور التزام کی تعریف ہی یہ ہے کہ ''ادیب کسی ایسے خاص نظریہ، فلسفہ، عقیدے یا فکر کا حامل ہو کہ اس کی ہر تخلیق کا محور وہی نظریہ، فکر یا عقیدہ و فلسفہ ہو،'' (۱۵) پھر ہمارا ادب یعنی اسلامی ادب تو ملتزم پیدا ہی ہوا ہے، اس کی بنیاد ہی التزام پر ہے، اگر عہد نبوی کے شعراء کو دیکھا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ انھوں نے اپنی شاعری کو دفاع اسلام اور تبلیغ دعوت اسلامی کے لیے ہتھیار بنا لیا تھا، چنانچہ ہر وہ مسلم ادیب جس کو ادبی تخلیق پر قدرت ہو خواہ افسانوی ادب ہو یا غیر افسانوی ادب یا پھر شاعری لیکن اس کی جولانی کا محور خدمت دین، دین کے مبادیات کی اشاعت اور اخلاقی تعلیمات کو عام کرنا ہی ہونا چاہئے، اور اس کا اس سے اس لیے مطالبہ ہے کیونکہ اس کا ایمان اس پر ہے کہ اس کو ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب دینا ہے، ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (۱۶) ترجمہ: ''کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو''

اسلامی التزام کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس کا سرچشمہ دل ہے، جب دل میں اسلام گھر کر جاتا ہے تو پھر ہر عمل میں اس کا التزام ہوتا ہے، دل کے اندر چھپا ہوا تصور اسلامی ہر ہر بات سے پھوٹ پڑتا ہے، معاصر ادب عربی میں اسلامی التزام کا جادو سر چڑھ کر بولا اور افسانوی و غیر افسانوی ادب میں اس کے بے شمار چھوٹے نمونے منظر عام پر آئے، نجیب کیلانی، علی احمد باکثیر، محمد الحسناوی، عبداللہ طنطاوی، یوسف العظم، عبدالحمید جودۃ السحار، عبدالرحمن رافت باشا وغیرہ نے ایسے افسانوی ادب کا انبار لگا دیا جو اسلامی التزام سے عبارت ہے، افسانوی ادب میں ان لوگوں نے شرعی تطبیقات، اخلاقی تعلیمات، اور قرآنی فیصلوں کو اس طرح پیوست

کر دیا گیا کہ خلق خدا بے حل اور مہلک و مفسد فکری یلغار اور تہذیبی زوال کے اس دور میں ایک طرف اس اسلوب کا ذائقہ چکھتی ہے تو دوسری طرف عقیدہ و شریعت اور اخلاقی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتی ہے۔

معاصر اسلامی ناول نگاروں اور کہانی و افسانہ نویسوں نے موضوعات و کردار کے انتخاب اور پلاٹ کی بناوٹ نیز طریقہ اداغرض ہر موقع پر التزام اسلامی کا بھرپور ثبوت دیا، معاصر اختلافی مسائل و نظریات مثلاً عورت اور اس کی سماجی حیثیت، معاشرے میں اس کا کام اور اس کا مقام نیز آزادی نسواں اور اس کے آثار و نتائج کو انھوں نے موضوع بنایا ور افسانوی ادب کے ذریعہ اسلامی حل پیش کیا اور اس کے خطرات آشکار کرنے کے ساتھ نتائج سے آگاہ کیا التزام اسلامی ہی شاید بڑا سبب ہے کہ اسلامی افسانوی ادب عنصر محبت کی کارفرمائی سے قدرے گریزاں ہے، محبت کے بے جا اور زائد تذکرے سے جس طرح وہ بچتا ہے اسی طرح وہ عورت کے گھٹیا کردار، اس کی سرکشی اور خیانت کا بھی کم تذکرہ کرتا ہے، التزام اسلامی سے فنی اسلوب اور اسلامی اقدار کے حسین امتزاج کا ذخیرہ عربی کے ناولوں اور افسانوں میں موجود ہے، اس میں جہاں ایک طرف اسلامی اقدار کو پیش کیا گیا ہے وہیں دوسری جانب اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ منہج زندگی سے انحراف کے نتائج و آثار کو نمایاں کیا گیا ہے اور غیر اسلامی صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مختصر یہ کہ اسلامی حقیقت نگاری خود اسلامی التزام کی بڑی دلیل ہے۔

حواشی:

۱۔ التصویر الفنی فی القرآن ص ۱۷۹، الفن القصصی فی القرآن الکریم محمد احمد خلف

اللہ۔ص:۳۰۰-۳۲۲۔

۲۔فی ظلال القرآن:ج۴،۱۸۴۰-۱۸۴۲-۱۹۴۹۔

۳۔قصہ موسیٰ،سورہ قصص۔۳-۴۲۔

۴۔التصویرالفنی فی القرآن۔ص۲۵۹

۵۔القصص القرآنی،عبدالکریم خطیب ص۷۷۔

۶۔فن القصد،احمد ابوسعد۔۱/۶۸۔

۷۔التصویرالفنی فی القرآن،سید قطب۔ص ۲۵۵-۲۵۹۔

۸۔یہاں پھر یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ عربی میں یہ کام بہت ہوا اور ہو رہا ہے، تخلیق کار اور ناقدین دونوں شانہ بشانہ اسلامی افکار کو باطل نظریات کے مقابلہ میں عوام تک پہنچانے کی سعی کر رہے ہیں، لیکن اس کے مقابلہ اردو میں تشنگی سی تشنگی ہے)

۹۔دراسات فی النقد الادبی،احمد کمال زکی۔ص ۲۴ اور ۱۸۹-۱۹۳۔انبیاء اللہ،احمد بہجت ص۔۲۱۔

۱۰۔منہج الفن الاسلامی۔ص:۶۵۔

۱۱۔رحلتی مع الادب الاسلامی،نجیب کیلانی۔ص ۵۸۔

۱۲۔احمد بسام الساعی،الواقعیۃ الاسلامیہ۔ص۱۲۔

۱۳۔الادب ومذاھبہ،محمد منور۔ص:۸۵۔

۱۴۔ھمزات الشیاطین۔عبدالحمید جودہ السحار۔ص۵۷۔

۱۵۔نحو مذھب اسلامی فی الادب والنقد،عبدالرحمن رافت باشا۔ص ۱۱۹۔

۱۶۔سورۃ ق:آیت ۱۸۔

فصل ہشتم

اسلامی افسانوی ادب کے مقاصد

ناول نگار ہو یا افسانہ وکہانی نویس سں کے لیے ضروری ہے کہ اس کے سامنے کوئی ہدف ہو اور اس کے حصول کی خاطر وہ اپنی تخلیقی قدرت کو استعمال کرے، یہ تصور کرنا محال ہے کہ کوئی کام بدون مقصد ہو، مقصد کا ہونا تو بہر حال ضروری ہے، خواہ طلب شہرت ہدف ہو یا کسب معاش، فساد ورذائل کی دعوت وترویج غایت ہو یا خیر وفضائل کی اشاعت مقصد، مقصد تو بہر حال ہوتا ہے، عقل کے لیے یہ تصور کرنا محال ہے کہ بغیر ہدف کے کوئی کام ہوتا ہے، فنی تخلیقات کا بھی حال یہی ہے، وہ بھی بے مقصد ہوکر بے قیمت ہوجاتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ خالص فن اور افکار سے عاری فن دونوں ایک ہی شے ہیں۔

اسلامی تخلیق کار انسانی وجود اور مقصد زندگی کو اسلام کے اصول ومبادی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اسی لیے وہ ان عبث تصورات کا انکار کرتا ہے جو متعدد عبث فلسفیانہ نظریات کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر یہیں سے اس کے سامنے وہ غایات عیاں ہو جاتی ہے جو متعدد عبث فلسفیانہ نظریات کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں جن کے حصول کے لیے وہ اپنی تخلیقی صلاحیت کو صرف کرتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا کہ قرآن کریم اور حدیث شریف نے کس طرح اس فن کو دو بنیادی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا، ایک تو عقیدہ کی اصلاح وترسیخ اور دوسرے انسانوں کی تربیت، ان ہی دونوں بنیادی مقاصد کی روشنی میں چند اور فروعی مقاصد کا استنباط کیا جا سکتا ہے جن کے حصول کے لیے اسلامی ناول

نگاروں اور کہانی وافسانہ نویسوں کو کوشش کرنی چاہئے۔

۱۔ ایمان کو راسخ کرنا اور زندگی میں اس کی تاثیر کو واضح کرنا:

ادیب کو چاہئے کہ وہ ایسا پلاٹ بنائے جس سے دلوں میں ایمان کی جڑیں مضبوط ہوں، ایسی شخصیات اور ایسے پلاٹ نہ ہوں کہ وہ اسلامی تصور کے مخالف یا قانون الٰہی کے خلاف ہوں، مومنانہ کردار کو بیان کیا جائے اور زندگی میں ایمان کے اثرات کی وضاحت کی جائے اور یہ بات واضح کی جائے کہ ایمان کی قوت سے فرد میں کیسا انقلاب آتا ہے اور ایمان ہی کی طاقت سے معاشرہ کیسا مثالی بن جاتا ہے، عربی کے اسلامی تاریخی ناولوں اور مختصر کہانیوں میں اس غایت کی بہترین مثالیں عبد الرحمن رافت باشا، عبدالحمید جودہ السحار، محمد عبدالحلیم عبداللہ، محمد الحمصی، محمد المجذوب اور عبداللہ الطنطاوی کی تخلیقات میں ملتی ہیں۔

۲۔ خیر وشر کی کشمکش کی تصویر کشی:

خیر وشر کی بہترین تصویر کشی اس طور پر ہو سکتی ہے کہ تاریخ کے مطابق مومنین کی پیش رفت اور کفر و منکرین کے انجام کو پیش کیا جائے، قرآن کریم کے قصص میں انبیاء اور رسل اور ان کی قوم کے رؤساء کے ذریعہ ان کے ساتھ جدال میں یہ غایت ابھر کر سامنے آتی ہے، قرآنی قصوں کے اس طریقے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مومنین کچھ جدال کرنے والوں اور راہ حق سے منحرف ہونے والوں کے انجام سے ڈرتے ہیں اور راہ حق کی اتباع کو لازم پکڑتے ہیں، معاصر اسلامی فنونی ادب میں اس غایت کو خوب برتا گیا ہے، چنانچہ کفار، یہود و نصاریٰ کے ساتھ مسلمانوں کی کشمکش کو مختلف ناولوں میں پیش کیا گیا ہے، یہی نہیں بلکہ دور حاضر میں پائی جانے والی اسلام دشمنی اور مسلم مخالف فکر کو پیش کیا گیا ہے، اس سے بھی آگے بڑھ کر بعض ناولوں میں اسلام کو سمجھنے

کے لیے فہم سلیم اور منحرف عقل کی کشمکش کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اسلام کے خلاف عیسائی مشنریز، یہودی مبلغین، کمیونزم کے حاملین اور بالخصوص یہودی سازشوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اسی طرح بعض اصحاب قلم مثلاً محمد انور ریاض، نجیب کیلانی اور احمد رائف وغیرہ نے داعی الی اللہ، اور فکری و سیاسی طاقتوں کے درمیان پائی جانے والی کشمکش کو بھی موضوع بنایا ہے۔

۳۔ موجودہ اسلامی قضیوں کو پیش کر کے اسلامی اخوت کی جڑوں کو مضبوط کرنا:

اس مقصد کا حصول اس طور پر ہو سکتا ہے کہ ان مسلمان بھائیوں کے مسائل اٹھائے جائیں جو بہت دور دراز کسی خطۂ ارضی پر بستے ہوں تاکہ علاقائی اور قومی بتوں کو توڑا جا سکے، نجیب کیلانی نے اپنے متعدد ناولوں میں اس مقصد کے حصول کی بہترین کوششیں کی ہیں اور اسلامی اخوت کے رشتہ کو مضبوط و عام کرنے کی بنیاد فراہم کی ہے۔

۴۔ خیر کی ترغیب اور شر سے ترہیب کے لیے صحیح و غلط دونوں راستوں پر چلنے والوں کے نمونے پیش کرنا:

ہم دیکھتے ہیں قرآن کریم نے خیر کی ترغیب کے لیے انبیاء، رسل اور ان کے متبعین کا کردار پیش کیا ہے، جب کہ حق سے انحراف، کفر، انکار اور معاصی سے خوف پیدا کرنے کے لیے فرعون و ہامان اور قارون جیسے لوگوں کا نمونہ پیش کیا ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ نظریاتی طور پر اخلاقی اقدار اور افکار کا اثر صرف خاص لوگوں پر ہوتا ہے لیکن اخلاقی اقدار سے مزین اور جن افکار کی تعلیم مقصود ہے ان کا کوئی جیتا جاگتا نمونہ پیش کیا جائے تو اس سے عام لوگوں کو قبول کرنے میں نہ صرف آسانی ہوتی ہے بلکہ اس کا بے پناہ اثر ہوتا ہے۔

۵۔ اجتماعی مسائل کا حل پیش کرنا:

ایک ادیب پر جو اجتماعی اور سماجی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کے احساس سے ہی وہ اجتماعی اور سماجی مسائل کا حل پیش کرتا ہے، اور چال چلن و معاشرت کی بے راہ روی اور مفسدات کی نشاندہی کرتا ہے، وہ ایک فرد کی لغزشوں کو بھی موضوع بناتا ہے، اس لیے کہ فرد کی غلطیاں اور بے راہ روی سے معاشرے کا رخ طے ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر ایک ادیب انفرادی غلط رفتاری اور معاشرتی برائیوں کے حل اور علاج کی اپنی بحث و تنقید اور تحریروں کے ذریعہ کوشش کرتا ہے تو پھر ناول نگار اور افسانہ و کہانی نویسوں کے لیے زیادہ ضروری ہے کہ وہ اس کام کو پوری دیانت داری کے ساتھ انجام دیں، اس لیے کہ ناول وافسانہ کا اسلوب سماج اور فرد کی اصلاح کے لیے نسبتاً زیادہ کارآمد و مؤثر ہے۔

پھر یہ بات اور زیادہ قابل غور ہے کہ اسلامی افسانوی ادب کے دو بنیادی اور مرکزی مصدر قصص القرآن و قصص حدیث اس جانب توجہ مبذول کراتے ہیں کہ خود ان میں فرد کی خرابیوں اور معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، ان کے عواقب سے آگاہ کیا گیا ہے، اور ان برائیوں سے فرد اور معاشرہ پر جو اثرات پڑتے ہیں انھیں بیان کیا گیا ہے، معاصر عربی اسلامی افسانوی ادب میں متعدد ناول نگاروں اور افسانہ نویسوں نے مختلف سماجی مشکلات کو موضوع بنا کر ان کا اسلامی حل پیش کرنے کے ساتھ ان کے عواقب سے آگاہ کیا ہے، مثلاً محمد السید، عبد اللہ طنطاوی، اور ابراہیم عاصی وغیرہ نے عورت کی آزادی اور مرد وزن کے بے محابہ اختلاط کے مفسدات و مضرات کو بیان کیا ہے، اسی طرح یوسف عظم اور حنان لحام وغیرہ نے عورت کے باہر نکل کر کام کرنے سے پیدا ہونے والے خطرناک انجام کو موضوع بنایا ہے۔

خلاصہ کلام

گذشتہ صفحات میں جو کچھ رقم کیا گیا اس کے ذریعہ اسلامی افسانوی ادب کے منہج اور خدوخال کو متعین کرنے کی ایک کوشش کی گئی ہے، اس سلسلہ میں قرآن کریم اور حدیث نبوی میں وارد قصوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تمہید کے طور پر ادب اسلامی کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، کہ ادب اسلامی نہ عہد اسلامی کے ادب کو کہا جاتا ہے اور نہ اس کے زمرے میں محض مذہبی تحریریں اور تفسیر قرآن وشرح حدیث نیز سیرت نگاری آتی ہے، بلکہ اس کے مفہوم کی وضاحت کے بعد اس کے فنون اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ ادب اسلامی کے دائرہ کو وسعتیں عطا کرنے کے لیے بڑی بے مثال کوششیں ہوئیں اور عالمی پیمانے پر ہزاروں، ادباء، شعراء، اور تخلیق کاروں نے اپنی ادبی صلاحیتوں کو اس کے لیے وقف کردیا، ادبی تخلیقات، تنقیدی بحثوں، ناولوں، کہانیوں افسانوی اور شعری مجموعات کے ذریعہ اس نظریہ ادب کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی گئی، تمام فنون ادبیہ میں اسلامی ادب کی پیش رفت کے پیش نظر یہ بات قطعی ہے کہ عربی زبان کا دامن جس قدر اس سے مالا مال ہے بقیہ دوسری زبانیں اس کے مقابلہ میں خالی نظر آتی ہیں، بالخصوص اردو جو خود اس نظریہ کے حاملین کی زبان ہے اور جس میں اس نظریہ کی داعی تحریک کا اچھا اثر ہے، لیکن اب تک اردو زبان عربی کی طرح کے ایسے ادبی اور تخلیقی نمونے پیش کرنے سے قاصر رہی ہے۔ جو فنی اعتبار سے مکمل ہوں اور اس نظریہ کے جملہ اصولوں کی ان میں مکمل تطبیق پائی جاتی ہو۔

پوری بحث میں اس ادبی صنف کے تطور اور اس پر مغربی رجحانات کے

پڑنے والے اثر کا بھی جائزہ لیا گیا، اور اس کے متعلق اصحاب فکر اسلامی کی آرا بھی نقل کی گئیں اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ یہ ادبی صنف کس طرح تمام فنون ادبیہ کو پیچھے چھوڑ کر سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ توجہ کا مرکز بن گئی، اسی لیے اسلامی فکر سے مزین اس ادبی صنف کے وجود اور تخلیق کی ضرورت پر بھی کلام کیا گیا۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد قرآن کریم وحدیث نبوی کے قصص کے فنی محاسن کو اجاگر کیا گیا اور اسلامی افسانوی ادب کے لیے ان سے موضوعات ومقاصد اخذ کرنے کے ساتھ ان کی اثر پذیری پر بھی روشنی ڈالی گئی پھر اسلامی افسانوی ادب کی شرطوں اور ان کی خصوصیات وغایات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ ادب اسلامی کے مفہوم کے ساتھ افسانوی ادب کا مفہوم، تاثیر اور ضروریات کی وضاحت ہو جائے، ادب اسلامی کے میدان میں عام طور پر اور افسانوی ادب کے میدان میں خاص طور پر اسلامی تخلیق کاروں کے لیے ایک نئی راہ کھلے اور ایک نیا آفاق روشن ہو اور اس میدان میں عربی داں مزید کوشش کریں تو اردو میں از سر نو ایک نئی کوشش کا آغاز ہو سکے، اور ادب اسلامی کے مفہوم وفنون اور خد وخال کی وضاحت ہونے کے بعد افسانوی وغیر افسانوی ادب میں پائے جانے والے خلا کو پر کیا جا سکے۔

مترجم کی دیگر کتب

۱۔ لمحات من الأدب الاسلامی (عربی)

۲۔ آئینۂ افکار (اردو)

۳۔ مختصر تاریخ ثقافت اسلامی (تعلیق وترجمہ)

۴۔ اسلامی افسانوی ادب (تعلیق وترجمہ)

زیر ترتیب کتابیں

۱۔ اقبال عربوں کی نظر میں (ترجمہ)

۲۔ الشاعر الثائر قاضی نذر الاسلام (ترجمہ)

۳۔ الادب الاسلامی عبر العصور

۴۔ الالتزام الاسلامی فی الادب الحدیث

۵۔ بارہ بنکی کی علمی وادبی تاریخ

اردو افسانہ پر سید صاحبؒ کا تبصرہ

ہمارے ملک میں افسانہ نویسی جس طرز کی جاری ہے، اسکے لئے نہ علم کی ضرورت ہے نہ مہارت انشاء کی، ہر وہ صاحب قلم جو دو انسانوں کی باتوں کو قید تحریر میں لانا جانتا ہو، وہ ہمارے ملک کا بڑا افسانہ نویس ہے، اس طرز تحریر میں نہ منطقی دلائل کی حاجت پڑتی ہے نہ فلسفیانہ نظریوں کی، نہ تاریخی معلومات کی نہ ادبی نکتہ دانی کی، نہ مذہبی علوم کی، بلکہ صرف اتنا سلیقہ کافی ہے، کہ وہ مبتذل خیالات، سوقیانہ تصورات اور عریاں جذبات کو نامانوس ترکیبوں اور مضحکہ انگیز فقروں میں ادا کر کے نوخیزوں کو بہلا اور نوجوانوں کو لبھا سکے۔۔۔ کیا علم و دانش کے بعد اخلاق و آداب بھی اس طبقہ سے رخصت ہو چکا ہے۔

(علامہ سید سلیمان ندویؒ، شذرات معارف فروری ۱۹۳۳ء)

Designed & Printed at :

Mashhud Enterprises

504/21-C, Tagore Marg, (Nadwa Road) Lucknow-20

Mobile : 9839133588, 9235794786, 9451947786

Telefax : 0522-4009800 E-mail : mailofficeindia@gmail.com